ماہنامہ
پیامِ راست
لاہور

جلد 12 شمارہ 11
نومبر 2026ء



مغربی استعماریت
صہیونیت کی پشت پناہ



پانسہ پلٹ گیا، نتن یاہو کا کھیل اُلٹ گیا

- متحدہ عرب ووٹ سرخرو، مضبوط اپوزیشن
- اسرائیل خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچ گیا

آنے والے دن کس کی تباہی کا منظر دکھائیں گے؟
---اسرائیل کے اندر اور باہر کیا ہونے کو ہے؟---


ہاں، ہم عربوں سے
نفرت کرتے ہیں!
کم از کم ہم کسی بات
پر تو متفق ہیں...
آئزن
کاٹ
نتن یاہو

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد

اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم

اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 12 شمارہ 11 نومبر 2026ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس



ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com

برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com

برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

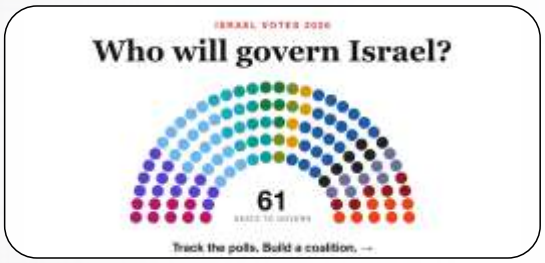
پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

■ کلام اقبال ■ اداریہ



عرب ووٹ نے صہیونیت کو پہلی شکست دے دی



اسرائیلی انتخابات اور عرب ووٹرز کا نیا سیاسی پر جوش کردار



مغربی استعماریت اور صہیونیت سے پاک دنیا کیسی ہوگی



فلسطینی عرب ووٹرز پہلی بار پر امید تھے

- غزہ کی مزاحمت زندہ رہے گی!
- بورڈ آف پیس کا پہلا پراجیکٹ ختم شد
- حماس نے 7 اکتوبر کے منصوبوں کو کس طرح نظروں کے سامنے چھپایا؟
- موساد: تاریخ، عالمی کردار اور سرزمین فلسطین پر اثرات
- صہیونی جہنم سے واپسی
- امریکہ کا وہ روپ جو فلسطینیوں کی نظروں سے اوجھل ہے
- سب کچھ کھو دینے کے بعد بھی اصل جنگ ''حماس'' نے جیت لی

کلامِ اقبال

میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں

میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بت کدۂ صفات میں

حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں
میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں

گرچہ ہے میری جستجو دیر و حرم کی نقشبند
میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سومنات میں

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ اُلجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

تو نے یہ کیا غضب کیا! مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں





اسرائیلی اعلان خانہ جنگی

آئزن کاٹ یا نتن یاہو؟ لائبرمین یا نیفتالی بینٹ؟

ایک سو بیس [120] نشستوں کے ایوان یعنی کنیسٹ میں اسرائیل کے چار متوقع وزیر اعظم ہیں۔ ان میں سے سر دست کوئی بھی یقینی طور پر وزیر اعظم نہ ہے۔ موجودہ وزیر اعظم بنیامین نتن یاہو 53 اور آئزن کاٹ 48 ارکان کے ساتھ زیادہ بڑے اور اہم امیدوار ہیں۔ نتن یاہو کو نگران وزیر اعظم کے طور پر اس وقت اقتدار حاصل ہے۔ عرب جماعتوں، جن کی تعداد 2 ہے، 19 ارکان یعنی 11 اور 9 ہیں۔ مجموعی تاثر کے اعتبار سے یہ انتخابات صہیونیت نے جیتے ہیں لیکن اوپر بیان کردہ چاروں چہرے پہلے نمبر پر خود ایک دوسرے کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، دوسرے نمبر پر ان میں سے کوئی بھی عرب ارکان کو اپنے ساتھ شامل کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ آخری راستہ نئے انتخابات کا ہے جن کو نتن یاہو کئی ماہ تک ملتوی رکھنے کی پوزیشن میں ہیں۔

امریکی صدر ٹرمپ اس وقت، فی الوقت، بنیامین نتن یاہو سے بہت زیادہ زچ ہو چکے ہیں۔ اس پوزیشن میں بھی وہ امریکہ ایران جنگ کو نہ صرف بھول دینے کی بات کر رہے ہیں بل کہ صدر ٹرمپ کو کھلے یا چھپے الفاظ میں، کہہ رہے ہیں کہ اب واحد آپشن ایران پر ایٹمی حملے کا ہی رہ گیا ہے۔ اس مؤقف میں زور لانے کے لیے وہ مسلسل کہہ رہے ہیں کہ وہ خود یہ کام کر گزریں گے۔ اس صورت حال میں ایران نے ایٹمی تجربہ کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ امریکہ نے بھی عملی طور پر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ایران یہ کر سکتا ہے، اس لیے اس پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس مرحلے پر اقتدار کی کش مکش میں عرب جماعتوں کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ انہیں حماس کو دہشت گرد تسلیم کر کے اسے ختم کرنے کی جنگ جاری رکھنا ہوگی، دوسرے انہیں اسرائیل کے اعلان آزادی پر کار بند رہنے کا عزم کرنا ہوگا۔ گویا کہ عرب جماعتوں کو ہر طرح کی تابع داری کرنا ہوگی، تیسرے فوج کو ریزرو فوج میں ہر کسی کو شامل کرنے کا اختیار ہوگا جس کو مذہبی متشدد حریدی یہودی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

ایک اور منظر نامہ یہ ہے کہ اسرائیل میں ان جماعتوں میں ایک بڑی خانہ جنگی کے خطرات منڈلانے لگے ہیں۔ عرب جماعتیں اقتدار میں شمولیت کے بارے میں بالکل خاموش ہیں، دوسرے انہیں کسی بھی حکومت اور کسی کی بھی حکومت آ جانے سے بے دخل اور بے گھر کیے جانے کے خطرات نے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ ساری صہیونی جماعتیں اس کام کے کرنے پر عملی طور پر تیار لیکن اپنی ترجیحات کے مطابق ان سے خانہ جنگی پر بھی آمادہ ہیں۔

ایک اور صورت حال یہ ہے کہ مغربی کنارے میں بالخصوص اور اس کے ایریا ای [E] میں شدید خون خرابے کے غزہ کی طرز کے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ ایتمار گویر اور بزازیل سموٹریش نے نتن یاہو سے وعدے لیے ہیں۔ ان دونوں کی نگرانی میں مغربی کنارے کے افراد بالخصوص آبادکار یہودیوں کی نوجوان نسل میں 100,000 خود کار رائفلیں تقسیم کی گئی ہیں، جو لازمی نہیں، فلسطینیوں کے خلاف ہی استعمال ہوں، ان کا استعمال کہیں اور خانہ جنگی میں بھی ہو سکتا ہے۔ اسرائیل کے اندر موجود آبادکار یہودیوں میں ان کا استعمال ہو سکتا ہے۔

ان تمام حالات میں سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ 80 فیصد انتخابات میں صہیونیت نے فتح سمیٹی ہے۔ صہیونیت کا پہلا ایجنڈا، کسی اور بات سے بہت پرے یہ ہو سکتا ہے کہ عرب آبادی کے مضبوط انتخابی علاقوں سے ان کو بے دخل اور بے گھر کر دیا جائے۔ اس کام کے لیے اسرائیلی فوج، موساد، شین بیت اور آبادکار یہودی سب اس ایک ہی ایجنڈے پر کام کر سکتے ہیں۔

ایک بڑا ڈیڈ لاک یہ ہے کہ عرب ارکان کو ساتھ ملا کر حکومت سازی کوئی بھی کرنا نہیں چاہتا۔ عرب ارکان مذکورہ شرائط پر ساتھ دینے پر بھی آمادہ نہیں ہیں۔ اگر وہ اس چار نکاتی فارمولے پر کسی بھی جماعت کے ساتھ متفق ہو جائیں تو پھر اسرائیل از خود ایک مسلمہ قانونی یہودی ریاست بن جاتا ہے، فلسطینی مطالبات بالکل بے معنی ہو جاتے ہیں، ان کا حق وطن واپسی ختم ہو جاتا ہے اور وہ استصواب کا حق بھی کھو دیتے ہیں۔

ان حالات میں جو شخص بہت پر سکون نظر آتا ہے، وہ بنیامین نتن یاہو ہے۔ وہ خود صدر اسرائیل سے کبھی نہیں کہے گا کہ اسے حکومت سازی کی باقاعدہ دعوت دی جائے چہ جائیکہ وہ مزید اور کم از کم آٹھ ارکان سے فلور کراسنگ نہ کرا لے۔ اقتدار میں شمولیت کون نہیں چاہتا۔ لیکن صہیونی رکن ہی اس کے ساتھ جانے کو تیار ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حکومت سازی ناکام ہو جاتی ہے تو نئے انتخابات لازمی ہو جائیں گے۔ اگر یہ نہیں ہونے دیے جاتے تو اقتدار کی خواہش مند صہیونی جماعتوں میں بھی خانہ جنگی ہو سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ خود کو الٹرا جیوش کہنے والے ارکان صہیونیت اور صہیونیت عرب ارکان کے خلاف ہتھیار بند ہو کر آمنے سامنے آ سکتے ہیں۔

ایک اور منظر یہ ہے کہ مغربی کنارہ دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ فلسطینی اتھارٹی کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا یا وہ اس قدر بلیک میل ہو جائے گی کہ اسرائیل کے ساتھ ہر معاہدہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔

یہ تمام امکانات اور خطرات ہیں جن سے اسرائیل کو نکالنے کے لیے مغربی استعماریت کھل کر بنیامین نتن یاہو کے ساتھ کھڑی ہو جائے گی۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی، یونان کے امریکہ کی سربراہی میں ایسے کنسورشیم کی بنیاد یں رکھ دی جائیں گی جس سے اسرائیل کی وہ مالی ضروریات پوری ہو جائیں گی جن سے اسرائیل کے اندر نیا غزہ پیدا کر دیا جائے گا، موجودہ غزہ پر ایک اور خون آشام نسل کشی کا سلسلہ دراز کر دیا جائے گا تا کہ نتن یاہو کی اپوزیشن کو باور کرا دیا جائے کہ اس کے سوا چارہ کوئی نہیں رہا۔ اس دوران میں صدر ٹرمپ مڈٹرم انتخاب جیت کر سینٹ فتح کر لیتے ہیں تو بنیامین کی چھٹی ہو جائے گی۔ ٹرمپ مزید بلیک میل ہونے کے بجائے اسرائیل کی مالی امداد روک دیں گے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ صہیونیت کے پیروکار قوت میں بھی ہیں اور وہ اقتدار میں بھی ہیں۔ ہمارے لیے یہ ایک بے معنی بحث ہو گی کہ بنیامین کو اقتدار ملتا ہے، آئزن کاٹ وزیر اعظم بن جاتے ہیں یا نیفتالی بینٹ عارضی وزیر اعظم بن جاتے ہیں۔ ہر صورت میں صہیونیت کی ہی جیت ہو گی۔ اگر ایسے کسی بھی سیٹ اپ کو دو سال بھی مل گئے تو اسرائیل میں یہودی آبادکاروں کی کثرت ہو جائے گی۔ ایران کے شدید حملوں کے باوجود 70,000 یہودی ووٹ استعمال کرنے اسرائیل واپس آ سکتے ہیں تو نئے انتخابات میں مزید آ جائیں گے۔ اس طرح اسرائیل اپنے اندر موجود فلسطینیوں یعنی عربوں کے لیے ایک بڑی یہودی بستی میں تبدیل ہو جائے گا۔

اگر یہ مرحلہ آسانی اور خون خرابے کے بغیر گزر جاتا ہے تو دو نتائج سامنے آئیں گے۔ غزہ کے بارے میں ٹرمپ پلان تو ابھی سے ناکام ہو چکا ہے لیکن اس مرحلے پر نسل کشی کے لیے مغربی استعماریت کھل کر اسرائیلی صہیونیت کے ساتھ کھڑی ہو گی۔ اسے عربوں کا، بالخصوص متحدہ عرب امارات، قطر اور سعودی عرب کا ساتھ میسر ہو گا۔ سعودی عرب کے شاہ سلمان کی اس مرحلے پر موت اس کے اپنے تین شہزادوں میں شدید خانہ جنگی کا سبب بن جائے گی۔ اسرائیل کے حملے مملکت پر بھی شروع ہو جائیں گے۔

اگر اسرائیل میں نئے انتخابات کا آغاز ہو جاتا ہے تو یہ ایک ثبوت ہو گا کہ اسرائیل کی داخلی سیاست ناکام ہو رہی ہے۔ وہاں جماعتوں میں انتخابی معرکہ ہی نہیں ہو گا بل کہ خونی معرکے بھی ہوں گے۔ فلسطینی جدوجہد آزادی عملی طور پر نہ سہی، فکری اور نظری طور پر اس قدر گہری ہو جائے گی کہ وہ اپنی پاکٹس کس طرح بے دخلی اور اسرائیلی بے رحمی سے بچا سکیں گے۔ اگرچہ یہ ایک بعید از امکان بات ہو گی لیکن ناممکنات میں سے نہیں ہو گی۔

اگر نتن یاہو سے اقتدار کسی سیاسی جوڑ توڑ میں چھن جاتا ہے تو نیا اسرائیلی وزیر اعظم خواہ کوئی بھی ہو، غزہ پر نتن یاہو سے زیادہ شدید حملے کرے گا۔ اسے اسرائیل کی قابض افواج کے فوجی چیف کی حمایت نتن یاہو سے زیادہ حاصل ہو گی۔ ایسی صورت میں وہی پارٹی اقتدار بنا سکے گی جو حرادی یہودیوں کو کھینچ کر جنگ میں لے آئے اور ریزرو فوجیوں سے بچنے کی کوئی راہ ان کو دستیاب نہ رہے۔

اوپر بیان کیے گئے سب مناظر امکانات ہیں۔ لیکن یہ غیر امکانی مناظر نہیں ہیں۔ ان سب پر نگاہ رہنی چاہیے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نتن یاہو اور آئزن کاٹ کو مغربی استعماریت آمادہ کر لے کہ وہ ایک دوسرے سے ہاتھ ملا لیں۔ اس استعماریت کی پوری کوشش ہے کہ اسرائیل کی اس بین الاقوامی تنہائی کو دور کیا جائے جو غزہ میں نسل کشی کی جنگ نے پیدا کر دی ہے۔ اس کا امکان کم ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی صورت میں یورپ کی حکومتوں کے آئندہ انتخابات جیتنے کے امکانات کم ہوتے جائیں گے۔ موجودہ برسر اقتدار جماعتوں کو اپنے عوام کی مخالفت کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔

اگر ری پبلکن امریکہ میں مڈٹرم ہار جاتے ہیں تو اسرائیل کے مسائل اور بڑھ جائیں گے۔ صدر ٹرمپ کا غزہ پلان ناکام ہو جائے گا۔ ییلو لائن پہلے ہی ختم ہو چکی ہے، وہ ریڈ لائن میں تبدیل ہو جائے گی۔ حماس غزہ پلان کی ناکامی کا از خود کبھی اعلان نہیں کرے گی۔ وہ مسلسل انتظار کرے گی کہ اسرائیل اور امریکہ اس کا اعلان کریں۔ دوسری طرف امریکہ واقعی ایران جنگ سے نکل جاتا ہے تو ایران پر اسرائیل کے ایٹمی حملے کا خطرہ بڑھ جائے گا۔ خلیج پورا تباہ ہو جائے گا، امارات و قطر برباد ہو جائیں گے اور اسرائیل بھی ایٹمی تباہی سے کسی صورت بچ نہیں سکے گا۔ اگر ایران نے اعلان کیا ہے کہ وہ ایٹمی دھماکہ کرے گا تو اس کے پاس مطلوبہ صلاحیت کے ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایسا ہوا اور ایران پر اسرائیل ای امریکہ دونوں نے ایٹمی حملہ کر دیا تو اس سے بڑی حماقت گزشتہ بیس صدیوں کی سب سے بڑی حماقت ہو گی۔

اسرائیل ایران جنگ کا خاتمہ بھی بہت ضروری ہے۔ اس کی موجودگی پراکسی وار کو مسلط کیے دے رہی ہے۔ طالبان بھارت کی پراکسی وار میں شامل ہیں۔ چین کے لیے ایران پراکسی وار میں شریک ہے۔ اسرائیل کے لیے امارات پراکسی وار میں شامل ہے۔ یمن بھی اسی نوعیت کی جنگ میں ہے۔ یہ ساری جنگیں بھارت کی حماقت زدہ ہیں، سعودیہ کی عاقبت نا اندیشی نے ان کو جنم دیا ہے۔ اگر مکہ اتحاد بھی ایسا کر گیا تو اور بہت کچھ لٹ جائے گا۔ پاکستانی بلوچستان کا بڑا حصہ تباہی کی زد میں آ جائے گا۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ امریکہ اور مغربی استعماریت کو اسرائیل کی پیٹھ ٹھونکنے سے کس طرح روکا جائے۔ یہ کام چین اور روس کر سکتے ہیں۔ ورنہ تباہی کا نیا باب ساری دنیا کو اچک لے جائے گا، صہیونیت ایک دیو بن جائے گی اور کسی کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ اسرائیل کو نتن یاہو چلائے یا آئزن کاٹ حکمران بنے، تباہی ہر صورت دستک دے رہی ہے۔



صورت حال: حافظ عمر فاروق

عرب ووٹ نے صہیونیت کو پہلی شکست دے دی

نوٹ: یہ ایک فلسطینی صحافی کے قلم سے نکلے ہوئے کلمات ہیں جو ماضی کی مکمل کہانی سناتے، حال کا معاملہ سامنے لاتے اور مستقبل سے کڑیاں جوڑتے ہیں۔ متحدہ عرب ووٹ کو مسائل کا حل بتاتے اور اسرائیلی جمہوری فاشزم کو بے نقاب کرتے نظر آتے ہیں۔ (ادارہ)

کنیسٹ کبھی آزادی کی بات نہیں کرنے دیتی۔ لیکن بے گھر ہو جانے کا خوف ایک موہوم سی امید جگاتا ہے کہ اپنے گھروں کو محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ ہم اس سرزمین پر اپنے خاندانوں کی اہمیت اجاگر کر سکتے ہیں۔

حالیہ ہفتوں میں جس قدر انٹرویوز بھی مجھے کرنے کا موقع ملا ہے، میں نے اسرائیل کے قصبات میں پھیلے فلسطینی شہریوں سے بات چیت کی ہے، مجھے یوں لگا ہے کہ وہ سب ایک ہی خوف کے ڈسے ہوئے ہیں۔

اب لوگ شہری حقوق کی بات کرتے آپ کو نہیں ملیں گے۔ وہ اس سے بہت آگے آچکے ہیں۔ وہ اچھی زندگی کی سہولیات کے بھی طلب گار نہیں رہے۔ اس سب کے بجائے ان کے سامنے سوال یہ ہے کہ خود کو بچانا، اپنی زندگی کو برقرار کیسے رکھنا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ وہ اس سرزمین پر، جو ان کی کبھی اپنی سرزمین تھی، کس طرح زندگی کی گاڑی کو چلتے رکھ سکتے ہیں۔

ہمارے دیہات اور قصبات میں داخلی راستوں پر اسرائیلی امیدواروں نے اپنے بڑے بڑے بل بورڈ لگائے ہیں۔ ان میں مذہبی صہیونی جماعت کے امیدوار برائے انتخاب بھی ہیں۔ ان کے راہنما ہمیشہ فلسطینی سے یعنی ہم سے ہماری ہی ساری زمین چھین لینے کے طریقے آزماتے رہتے ہیں۔ وہ ہماری جگہ پر یہودی آبادکاروں کی بستیاں بنانے اور باہر سے لائے گئے یہودیوں کو آباد کرنے کی باتیں کرتے ملتے ہیں اور کرتے بھی ہیں۔ وہ خاص طور پر مغربی کنارے کو ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ ان کی نظریں خاص طور پر گلیلی، نقیب اور نگیف پر ہیں۔ ان کی ٹپکتی رالیں ہم روز انہ دیکھتے ہیں۔

ہم جب ان سڑکوں اور شاہراہوں پر سفر کرتے ہیں تو ان کے پیغامات پڑھنے اور سننے کو ملتے ہیں۔ یہ سے نکل جاؤ، ہم تمہیں نکال باہر کریں گے، وغیرہ۔ ان حالات میں ہمارے لوگ کس طرح خاموشی سے تماشا بلا ناغہ ہوتے دیکھ سکتے ہیں؟

میں نے جن شہریوں سے بھی بات کی ہے، وہ پارلیمانی جمہوریت کو مسائل کا حل نہیں سمجھتے، نہ ہی وہ پارلیمانی سیاست کے قائل ہیں۔ انہیں قطعی امید نہیں ہے کہ اسرائیلی حکومت یا معاشرہ ان سے کبھی انصاف کر سکے گا۔ انہیں کسی بھی صورت انصاف مل نہیں سکتا۔ یہ خود کو محفوظ راستہ صرف یہی ہے کہ ہم اسی طرح انصاف طلب کرتے رہیں۔ اس طرح کم از کم ہم اس خوف کو کچھ عرصے کے لیے ٹال سکتے ہیں جو بڑھتا چلا آرہا ہے۔

7 اکتوبر 2023ء کے سعد سے اسرائیل کے اندر فلسطینیوں کو سیاسی سرگرمیوں پر سخت ترین پابندیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ہمارے پاس جو راستے بچتے ہیں، ووٹنگ میں حصہ لینا ایک موہوم سی امید ہے۔ اس میں بھی وہ خطرات پوری طرح ہمارے سروں پر منڈلاتے ہیں جو سیاست میں ہمارے داخلے اور ان پر اسرائیلی پابندیوں سے پیدا ہو رہے ہیں۔

میرے والد اب ستر سال کے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اسرائیلی پارلیمان کے کسی بھی الیکشن میں کبھی ووٹ نہیں دیا۔ پولنگ کے ہر دن وہ لمبی تان کر سوتے رہے ہیں۔ لیکن اس بار ان کا ارادہ اور عزم کچھ اور ہی ہے۔

میرے والد کا تعلق ایسے بے گھر فلسطینی خاندان سے ہے جس نے نکبہ نہ صرف دیکھا ہے بل کہ بھگتا بھی ہے۔ وہ تلخ یادوں کے طور پر ان کے ذہن و دل پر نقش ہے۔ انہوں نے سارا بچپن اور جوانی اسرائیل کے فوجی اقتدار کے اندھیرے میں گزارا ہے۔ اب وہ اس سرزمین پر ہمارے مستقبل کے بارے میں بہت فکر مند، بہت پریشان ہیں۔ وہ غزہ کے حالات کا خود کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور ہمیں اس سے بچا کے رکھنا چاہتے ہیں۔

وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کے پوتے پوتیاں، نواسے اور نواسیاں اسی انجام سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بس! اب نہیں۔ وہ بڑھتے ہوئے خطرے کو کم ہوتا نہیں دیکھ رہے اور

نہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ وہ سات سال کے بچے ہیں، ستر سال کے بوڑھے ہوتے فلسطینی ہرگز نہیں ہیں۔

تکلیف دہ حقیقت: میں خود 2018ء تک اسرائیلی پارلیمنٹ کے انتخابات میں ووٹ ڈالنے کو ایک بے کار مشق قرار دیتا آیا ہوں۔ میرا یقین تھا اور اب بھی یہی یقین ہے۔ میری رائے میں پارلیمنٹ میں ہماری موجودگی نے ہمیں نقصان سے ہی دوچار کیا ہے، فائدہ نہیں مل سکا۔ ہماری ہر کوشش ناکامی سے ہی دوچار ہوئی ہے جس سے ہم نے کسی بھی ادارے میں شرکت کا فیصلہ کیا۔

یہ فریم ورک ہمارے آزادی کے وجدان کے ہی مخالف ہے اور اب بھی حالات بدلے نہیں ہیں۔ قبضہ برقرار ہے اور بڑھتا جا رہا ہے۔ اس لیے میں انتخابات کے بائیکاٹ کے حق میں ہوں۔

لیکن آج میں اپنے ہی اس سوال، اس فیصلے پر نظر ثانی کرنے کے حق میں ہوں۔ اس مرتبہ ہم اس قدر کمزور ہیں کہ بائیکاٹ کا سوچ ہی نہیں سکتے۔

میں اب تک ان تمام ترغیبات کے خلاف رہا ہوں جن سے اس ووٹنگ کے عمل میں فلسطینیوں کو آمادہ کیا جاتا رہا ہے کہ وہ ووٹ ڈالیں۔، ان کے ووٹ سے فرق پڑے گا۔ میں دوسروں کو کس طرح کہہ سکتا ہوں کہ وہ ووٹنگ میں حصہ لیں جب کہ میں خود کو بھی پوری طرح قائل نہیں کر سکا۔ ایک صحافی کے طور پر میں انتخابی مہم کی رپورٹنگ کرتا رہا ہوں۔ اس دوران میں کسی کو میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ ووٹ ڈالے یا نہ ڈالے۔ میں اس شور سے ہمیشہ دور ہی رہا ہوں جو ووٹ ڈالنے کی کش مکش میرے اندر پیدا کرتا تھا۔ یہ بہت تھکا دینے کا عمل رہا۔

میں نے 7 اکتوبر 2023ء کے بعد سے اسرائیلی معاشرے کو تیزی سے انتہائی دائیں بازو کی سیاست کا حامل ہوتے دیکھتا رہا ہوں۔ اس دوران میں فلسطینی سیاست مجھے بہت کمزور اور مقصد سے دور محسوس ہوئی۔ غزہ میں 74000 فلسطینی مار دیے گئے۔ اس سے میں بہت تکلیف دہ مراحل سے گزرا۔ فلسطینی سیاسی قیادت اسرائیل کے اندر یہ فیصلہ نہ کر سکی کہ وہ اس کے بعد کسی سیاسی عمل میں شامل ہو یا نہ ہو۔ ہم چاہتے تھے کہ یہ انتخابات ملتوی ہو جائیں۔

۔ہم پہاڑی کے نیچے کھڑے تھے۔ ہمیں تو یہ حق بھی نہیں رہا تھا کہ ہم اپنے زیتون کے درختوں سے پھل ہی کاٹ سکتے ۔۔ ہمارے پاس سیاسی امکانات کم سے کم تھے۔

میں یہ سمجھ گیا تھا کہ الیکشن کا بائیکاٹ اخلاقی طور پر درست نہیں ہوگا۔ ہم ہوا میں معلق رہیں گے اور ہمارا وجود مزید بے معنی ہوتا جائے گا۔ ہم سیاسی تباہی کا انتخاب کریں گے۔ ہم کبھی متحد نہ ہو سکیں گے۔

اگر کوئی ایک فرد کے طور پر اس عمل میں شرکت کا فیصلہ کر لیتا ہے تو خود کے اظہار کا ایک راستہ ہے۔ متحدہ بائیکاٹ سے فرق صرف اس صورت میں پڑ سکتا ہے کہ ہمارے اندر تنظیم ہوتی، مشترکہ مقاصد ہوتے اور ہم بائیکاٹ کو ایک قوت کے طور استعمال بھی کر سکتے۔

بقا کے لیے سیاست: میں الیکشن بائیکاٹ کے جائز یا ناجائز ہونے پر سوال نہیں اٹھا رہا ہوں۔ میں تو یہ دریافت کر رہا ہوں کہ ہم اس سے کیا حاصل کر سکیں گے۔ اگر حصہ لینا ہماری آزادی کا راستہ نہیں کھولے گا پھر کیا فائدہ نقیب، عفیف اور گلیلی کے بعد کس کی باری ہوگی؟ میں ہر جگہ یہ بات سن رہا ہوں۔

جب لوگ مسلسل اس خوف سے دوچار ہوں کہ ان کے گھروں کا کیا بنے گا پھر میں کسی سیاسی خیال کی بات کیسے کروں؟ ہم خوف زدہ کمیونٹی ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ ہم پوری طرح سے اس سیاسی عمل کو سمجھ پائے ہیں۔ ہماری بقا کا سوال ہم سے جواب مانگتا ہے کہ تم زندہ بھی رہ سکو گے یا غزہ والوں کی طرح مار دیے جاؤ گے؟ بقا کا مسئلہ ہی اب سامنے رہ گیا تھا۔ ہم اسے یونہیں فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے۔ اردگرد لوگ انتخابات سے الگ رہنے کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔ ہمیں اس کا بھی خیال رکھنا ہوگا ہے ہم بکھرے بکھرے کیا کر سکیں گے۔ ہمیں اپنی بقا کے لیے وسائل بھی درکار تھے اور اسباب بھی۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ کنیسٹ سے ہمیں ان دونوں میں سے کچھ بھی مل سکے گا۔ اس بات کا کیا امکان ہے کہ سارے عرب ووٹ عرب لسٹ کے گرد جمع ہو کر ایک اجتماعی قوت سیاسی طور پر بن جائیں۔ ہم کنیسٹ میں چند مزید نشستیں جیت بھی لیں تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ ہمارے بائیکاٹ سے کیا فرق پڑ جائے گا، پھر میں نے فیصلہ کیا: ۔۔۔ہم ووٹنگ میں حصہ لیں گے۔

مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ نیتن یاہو کے متبادل کوئی حکومت بھی ہمیں کچھ نہیں دے سکے گی۔ حکومت تبدیل ہو بھی جائے، قبضہ ختم نہیں ہوگا۔ ہم نوآبادیاتی حکومت ختم نہیں کر سکیں گے۔ یہودی برتری برقرار رہے گی۔

لیکن میں کسی قیمت پر نیتن یاہو کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں بزازیل سموٹریش اور اتمار بن گویر کو دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ میں ان کو اقتدار میں کس طرح دیکھ ہوں۔ میں اپنے خون کے پیاسے ان خون خوار درندوں کو شکست دینا لازمی سمجھتا ہوں۔

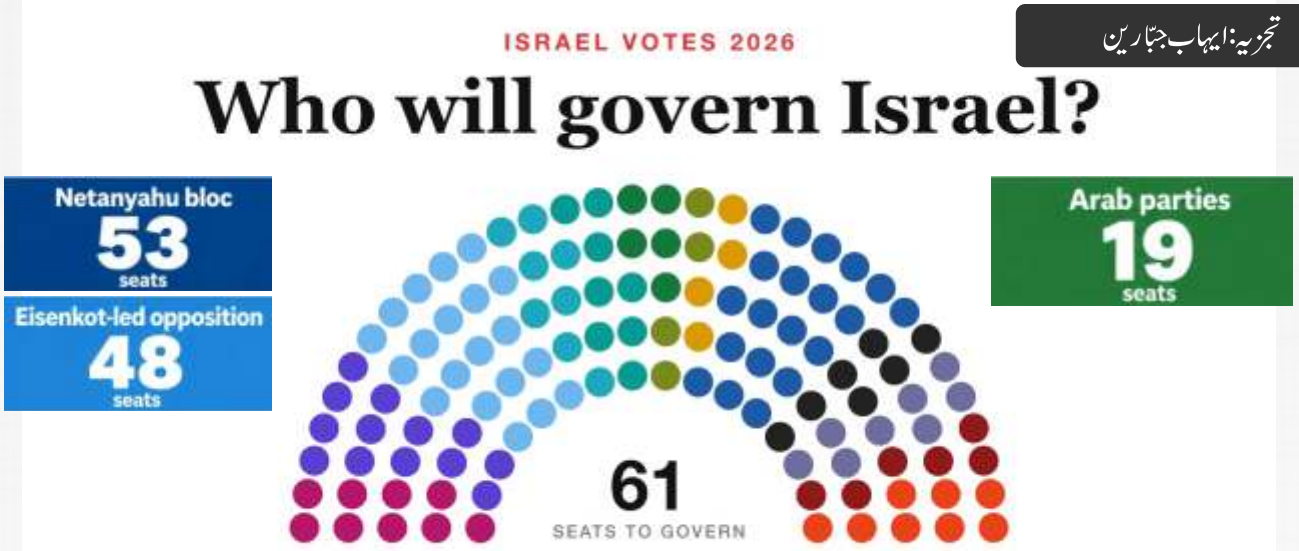
میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ووٹنگ میں ہمارے حصہ لینے سے اسرائیل خود ایک جمہوری ملک کے طور پر پیش کرے گا۔ اسے غلبے، قبضے اور عدم مساوات کو چھپانے کا موقع ملتا رہے گا۔ اس طارے خون کے بہنے کے بعد میں یہ ضرور دیکھنا چاہوں گا کہ میرا ووٹ کیا تبدیلی لا سکے گا۔ ہماری اخلاقی ساکھ میں کس طرح اضافہ ہوگا۔ یہ ایک تبدیلی ہوگی، خواہ ایک لمحے کے لیے ہی ہو۔ غم و غصہ کوئی آپشن ہی نہیں ہے۔ محض ہماری شرکت سے کسی کو قانونی حیثیت نہیں مل سکے گی۔

شاید سیاسی تبدیلی تباہی کو نہیں روک سکے گی۔ وہ اسے ٹال سکتی ہے، ختم نہیں کر سکتی۔ اس سے ہمارے لوگوں کو سانس لینے کا ایک موقع ضرور مل جائے گا۔ جب امکانات بہت محدود ہوں تو میں نہیں چاہوں گا کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

میں ووٹ دوں گا۔ اگر موہوم سی امید بھی ابھرے، میں ووٹ ڈالوں گا۔ میں فلسطینیوں سے بھی کہوں گا کہ ووٹنگ میں حصہ لیں۔ ہمیں تو ایک سانس بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ووٹ کوئی حل نہیں ہے۔ ووٹ نہ ڈالنا بھی کوئی حل نہیں ہے۔ مجھے اب بھی یقین ہے کہ اس سے آزادی نہیں ملے گی۔ لیکن ہم اپنا سیاسی ادارہ بنا سکیں گے، ہم اجتماعی طور پر متحد ہو سکیں گے۔ ہم ایک قوم کے طور پر آگے بڑھ سکیں گے۔ میں اس لیے ووٹ ڈالوں گا۔ سیاسی سزاؤں پر احتساب اور جواب دہی ہونی چاہیے۔

میں اپنے والد کے بارے میں سوچتا ہوں۔ انہوں نے ستر سال ووٹ نہیں ڈالا۔ وہ اس مرتبہ ووٹ ڈالیں گے۔ ہم متحدہ عرب ووٹ ڈالیں گے۔ میرے والد کہتے ہیں کہ ووٹ ڈالیں تاکہ ہماری آواز سنی جائے۔ وہ اسے آزادی کی سمت ایک قدم قرار دے رہے ہیں۔ وہ مقاصد پر نظر رکھے امید کرتے ہیں کہ ہم اپنے متحدہ عرب ووٹ سے صہیونیت کو پہلی شکست دے سکیں گے۔ ہم نیتن یاہو کو شکست دے دیں گے۔ ان کی بات میں وزن ہے۔

تجزیہ: ایہاب جبّارین



اسرائیلی انتخابات اور عرب ووٹرز کا نیا سیاسی پُرجوش کردار

اسرائیل کے عام انتخابات میں مسلم/عرب ابھار دیکھا گیا ہے۔ یہ ابھار مستقبل میں کیا شکل اختیار کرسکتا ہے۔ اس ضمن میں عرب جماعتوں اور حزب اختلاف کی ذمے داریاں کیا ہیں، اس موضوع پر الجزیرہ نے ایک جامع رپورٹ شائع کی ہے جو صورت حال کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ برادر عزیز فرید سرور جعفری صاحب کے شکریے کے ساتھ یہ رپورٹ احباب کی نذر

1۔ عرب ووٹروں کی غیر متوقع بڑی تعداد

ایسے وقت میں جب سیاسی افق اتنا تنگ دکھائی دیتا ہے کہ گویا سانس لینا بھی دشوار ہو، عرب ووٹر توقعات سے بڑھ کر تعداد میں ووٹ ڈالنے کے لیے باہر نکلے۔

حیرت صرف اس بات پر نہیں کہ عرب سیاسی جماعتوں کو کتنی نشستیں مل سکتی ہیں، بلکہ اصل حیرت اس فیصلے میں ہے کہ لوگ ووٹ ڈالنے کے لیے باہر نکلے۔ لوگ جانتے ہیں کہ ان کا سیاسی اثر و رسوخ محدود ہے، اسرائیلی اپوزیشن انہیں حقیقی شراکت داری کی پیشکش نہیں کرتی، اور موجودہ حکومت ایسی پالیسیاں اختیار کررہی ہے جو ان کی روزمرہ زندگی کے ساتھ ساتھ ان کے قومی مسئلے کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ اس کے باوجود وہ ووٹ ڈالنے گئے۔

انہوں نے عرب جماعتوں کو ایسا انتخابی وزن دیا جو گزشتہ انتخابات میں اس درجے پر موجود نہیں تھا۔ اس طرح انہوں نے ایک ایسا سوال دوبارہ اٹھا دیا جسے اب عمومی نعروں کے پیچھے چھپایا یا مزید مؤخر نہیں کیا جاسکتا:

آپ ان ووٹوں کے ساتھ کیا کریں گے جو تمام مشکلات کے باوجود آپ کو ملے ہیں؟

2۔ ووٹر اپنے امیدواروں سے زیادہ جرأت مند دکھائی دیا۔ یہاں ووٹر اپنے امیدواروں سے زیادہ جرأت مند نظر آیا۔ وہ اس حقیقت سے واقف تھا کہ راستہ تقریباً بند ہے اور ممکن ہے کہ اسرائیلی اپوزیشن میں اسے ایسا شریک نہ ملے جو اس کی توقعات پوری کرسکے۔ اس کے باوجود اس نے ووٹ دیا، کیونکہ وہ موجودہ حکومت کو مزید موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ ووٹ جماعتوں کو کھلی چھوٹ دینے کے مترادف نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں۔ بلکہ یہ ایک مشروط موقع ہے، جس کے نتائج کی بنیاد پر ان سے جواب طلب کیا جاسکتا ہے۔

جو لوگ زیادہ ووٹ ڈالنے کو عرب جماعتوں پر مکمل اعتماد کی تجدید سمجھ رہے ہیں، وہ صورتِ حال کو غلط پڑھ رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے ووٹ کو دفاع کے دستیاب ذرائع میں سے ایک سمجھ کر استعمال کیا، لیکن ضروری نہیں کہ انہوں نے ان جماعتوں کے منشور کو قبول بھی کرلیا ہو یا انہیں اس بات کا یقین ہو کہ یہ جماعتیں عملی کامیابیاں حاصل کرسکیں گی۔ مکمل اختیار دینے اور محدود موقع دینے میں بڑا فرق ہے۔ بہت سے ووٹروں نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے۔

3۔ عرب شہریوں نے ووٹ کیوں دیا؟

ووٹ دینے کے محرکات مختلف تھے، اور ممکن ہے کہ ایک ہی شخص میں کئی محرکات جمع ہوں:

سیاسی عمل پر اثر انداز ہونے کی خواہش۔

حکومت کی پالیسیوں کو روکنے کی کوشش۔

بنیامین نیتن یاہو کو طویل عرصے تک اقتدار میں رہنے پر سیاسی سزا دینے کا جذبہ۔

غزہ کی جنگ کے دوران جمع ہونے والا غصہ۔

روزمرہ زندگی، جان و مال اور بنیادی تحفظ کے بارے میں بڑھتا ہوا خوف۔

زمین اور رہائش کے مسائل اور اپنی جگہ پر محفوظ زندگی گزارنے کی خواہش۔

کوئی ووٹر اسرائیلی اپوزیشن کی تمام جماعتوں پر شک کرسکتا ہے اور انہیں اپنا قابلِ اعتماد شریک بھی نہ سمجھتا ہو، لیکن پھر بھی ووٹ ڈال سکتا ہے، کیونکہ وہ موجودہ حکومت کو بغیر کسی سیاسی قیمت کے اقتدار جاری رکھنے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔

اس لیے زیادہ ووٹ ڈالنے کا مطلب لازماً یہ نہیں کہ عرب شہریوں نے اسرائیلی سیاسی نظام سے مصالحت کرلی ہے یا اس کے موجودہ قواعد کو قبول کرلیا ہے۔ بلکہ یہ اس نظام کے اندر دستیاب ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اس کی پالیسیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش بھی ہوسکتی ہے۔

یہ غزہ کی جنگ شروع ہونے کے بعد اسرائیلی پارلیمان (کنیسٹ) کے پہلے انتخابات ہیں۔ اس لیے یہ محض ایک عام انتخابی واقعہ نہیں ہے، بلکہ فلسطینی شہریوں کے سیاسی اظہار پر مسلسل پابندیوں اور جنگ کے دوران جمع ہونے والے غصے کے اظہار کا ایک راستہ بھی ہے۔ اس مرتبہ قومی غصہ اور روزمرہ زندگی کا خوف ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔ چنانچہ ووٹ ڈالنا بیک وقت اپنی قوم اور اپنی ذاتی زندگی کے دفاع کی کوشش بن گیا۔ ووٹ دینے والا صرف کسی دور کے بڑے قومی مسئلے کے لیے ووٹ نہیں دے رہا، بلکہ وہ اپنے اس حق کے لیے بھی ووٹ دے رہا ہے کہ وہ اپنی جگہ پر امن سے رہ سکے، اسے مستقل خطرہ نہ سمجھا جائے اور اسے محض ایک انتخابی گروہ کے طور پر استعمال کرکے بعد میں نظر انداز نہ کردیا جائے۔

4۔ عرب جماعتوں کے انتخابی نتائج کا کیا مطلب ہے؟

عرب ووٹوں کی تقسیم کو سمجھنے کے لیے صرف یہ اعلان کر دینا کافی نہیں کہ ایک سیاسی راستہ جیت گیا اور دوسرا ہار گیا۔

یہاں دو اہم سیاسی اتحادوں کا ذکر ہے:

الف۔ مشترکہ فہرست (القائمۃ المشترکۃ): ایک قومی اور بائیں بازو کا اتحاد، جس میں عرب جماعتیں شامل ہیں، مثلاً الجبہہ اور التجمع۔

ب۔ متحدہ عرب فہرست (القائمۃ العربیۃ الموحدۃ): جنوبی اسلامی تحریک کا سیاسی بازو۔

متحدہ عرب فہرست کا مشترکہ فہرست سے پیچھے رہ جانا بذاتِ خود اس کی شکست کا قطعی ثبوت نہیں۔ اسی طرح مشترکہ فہرست کی برتری کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس کے ووٹروں نے پارلیمانی تعاون کی ہر صورت کو مسترد کر دیا ہے۔

یہاں تین چیزوں میں فرق کرنا ضروری ہے:

حاصل ہونے والی پارلیمانی نشستیں۔

حاصل ہونے والے ووٹوں کی مجموعی تعداد۔

عرب ووٹوں میں ہر جماعت کا تناسب۔

مصنف کے خیال میں ممکن ہے کہ بعض ووٹر سیاسی اثر و رسوخ چاہتے ہوں، لیکن وہ اس کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ مثلاً وہ اپنے منشور سے بنیادی سمجھوتے یا ایسی سیاسی شراکت داری قبول کرنے کو تیار نہ ہوں جسے وہ ان پالیسیوں کو معمول پر لانے کے مترادف سمجھتے ہیں جنہیں وہ مسترد کرتے ہیں۔

لہٰذا صرف ووٹوں کے اعداد و شمار سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ کس جماعت کے ووٹر کیا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے ووٹروں نے اپنی جماعتوں کو مذاکرات کرنے کا اختیار دیا ہو، لیکن اس اختیار کے استعمال کی شرائط اور حدود کے بارے میں ان کی رائے مختلف ہو۔

5۔ کیا عرب ووٹ نیتن یاہو کو اقتدار سے ہٹا سکتے ہیں؟

اسرائیلی اپوزیشن کا وہ حلقہ جو نیتن یاہو کی جگہ کسی اور کو لانا چاہتا ہے، اب ایک اہم امتحان سے دوچار ہے۔

سوال یہ ہے: کیا وہ عرب جماعتوں کو فیصلہ سازی میں حقیقی شریک تسلیم کرے گا، یا صرف ان کی پارلیمانی نشستوں سے فائدہ اٹھانا چاہے گا، جبکہ انہیں جائز سیاسی شراکت دار ماننے سے گریز کرے گا؟

اگر یہ اپوزیشن نیتن یاہو کو اقتدار سے ہٹانا چاہتی ہے، لیکن اس مقصد کے لیے عرب ارکانِ پارلیمان کے ووٹ قبول کرنے سے انکار کرتی ہے، تو وہ خود سیاسی شراکت داری کی حدود متعین کر رہی ہوگی۔ اس صورت میں نیتن یاہو کا اقتدار برقرار رہنا صرف اس کے اپنے اتحادیوں کی طاقت پر منحصر نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مخالفین کے فیصلوں اور ان حدود پر بھی منحصر ہوگا جو وہ خود اپنے لیے مقرر کرتے ہیں۔

حسابی اعتبار سے نیتن یاہو کے خلاف اکثریت بننے کا امکان موجود ہو سکتا ہے، لیکن اس اکثریت کا حقیقتاً متحد ہو کر کام کرنا ابھی ثابت ہونا باقی ہے۔

کسی رہنما کی مخالفت پر اتفاق کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے متبادل، نئی حکومت کے پروگرام یا پارلیمان میں آئندہ اقدامات پر بھی اتفاق ہو گیا ہے۔

کنیسٹ کے اسپیکر کے انتخاب پر اتفاق ایک ابتدائی امتحان ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ آیا مختلف سیاسی قوتیں اپنے مشترکہ مفادات کو مشترکہ ووٹ میں تبدیل کر سکتی ہیں یا امیدوار کی شناخت اور سیاسی سودے بازی پر اختلافات ان کے اتحاد کو ابتدا ہی میں محدود کر دیں گے۔

6۔ عرب جماعتیں حکومت کے ساتھ کس طرح تعاون کر سکتی ہیں؟

مصنف واضح کرتا ہے کہ تعاون کی مختلف صورتوں میں فرق کرنا ضروری ہے:

حکومت میں باقاعدہ شامل ہونا۔

حکومت میں شامل ہوئے بغیر باہر سے اس کی حمایت کرنا۔

حکومت کے قیام کو ممکن بنانے کے لیے ووٹنگ سے غیر حاضر رہنا یا غیر جانب دار رہنا۔

مخصوص معاملات پر حکومت کے ساتھ تعاون کرنا۔

اصل سوال یہ ہے کہ ان میں سے ہر صورت کے لیے کون سی شرائط ضروری ہوں گی، تاکہ عرب ووٹرز کے سامنے اس تعاون کا جواز پیش کیا جا سکے۔ عرب جماعتوں کی نشستوں کی اہمیت صرف ان کی تعداد سے متعین نہیں ہوگی، بلکہ اس بات سے بھی ہوگی کہ وہ ان نشستوں کو استعمال کرنے کی شرائط پر کس حد تک متفق ہو سکتی ہیں۔ اگر ہر جماعت الگ الگ مذاکرات کرے گی، تو اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے فریق ان سے الگ الگ سودے بازی کریں۔ اس طرح تمام جماعتوں کے مشترکہ مطالبات کمزور ہو سکتے ہیں اور ان کی انتخابی طاقت الگ الگ حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

اس لیے عرب جماعتوں کے درمیان کم از کم بنیادی نکات پر رابطہ اور ہم آہنگی محض اخلاقی اپیل یا اتحاد کی خواہش نہیں، بلکہ ایک سیاسی ضرورت ہے۔ انہیں واضح کرنا ہوگا کہ وہ کن چیزوں کو روکنا چاہتے ہیں، کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کن شرائط پر محدود تعاون کے لیے تیار ہو سکتے ہیں۔ اگر ان شرائط پر کم از کم اتفاق بھی نہ ہوا تو وہ محض حکومت کو روکنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے طویل انتظار میں پڑ سکتے ہیں، جبکہ موجودہ حکومت روزمرہ کے حالات پر اپنا اختیار برقرار رکھے گی۔ الجزیرۃ نت

7۔ عرب ووٹروں کے سامنے ایک اور خطرہ

مصنف ایک اور خطرے کی نشان دہی کرتا ہے: کہیں یہ انتخابی جوش و خروش ایک مرتبہ پھر سیاسی تعطل میں ضائع نہ ہو جائے، اور ایک یا دو سال بعد ووٹروں سے دوبارہ یہی کہا جائے کہ اسی دلیل کی بنیاد پر ووٹ ڈالنے کے لیے باہر نکلیں۔

غصہ ہمیشہ لوگوں کو بار بار ووٹ ڈالنے پر آمادہ نہیں رکھ سکتا، اور عوام کو بڑی تعداد میں متحرک کرنے کی صلاحیت بھی لامحدود نہیں ہوتی۔

اسی لیے عرب جماعتوں کو، اپنے مختلف سیاسی طریقۂ کار کے باوجود، کم از کم اس بات پر اتفاق کرنا چاہیے کہ وہ اپنی نشستوں کو کن شرائط کے تحت استعمال کریں گی۔

صرف نشستوں کی تعداد اور انتخابی کامیابی کا جشن منانا کافی نہیں۔ اصل امتحان یہ ہے کہ ان نشستوں سے کوئی قابلِ محسوس سیاسی نتیجہ حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔

8۔ اختتامیہ: ہم ووٹ ڈالنے آئے تھے، اب آپ کیا کریں گے؟

مصنف کے مطابق، عرب ووٹر نے انتخابی قوت پیدا کی ہے، اور ممکن ہے کہ اس نے اپنی سیاسی قیادتوں سے زیادہ جرأت کا مظاہرہ کیا ہو۔

آنے والا مرحلہ یہ واضح کرے گا کہ کون اس قوت کو عملی اثر و رسوخ میں بدل سکتا ہے۔

عرب جماعتوں کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ دوسروں سے مذاکرات شروع ہونے سے پہلے اپنی نشستوں کے استعمال کی شرائط پر اتفاق کر سکتی ہیں۔ اسرائیلی اپوزیشن کو یہ دکھانا ہوگا کہ وہ عرب جماعتوں کے ساتھ حقیقی شراکت داری کی سیاسی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہے، نہ کہ صرف ان کی نشستوں سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ اگر صرف نشستوں اور ووٹوں کے اعداد و شمار پر خوشی منائی گئی، تو ووٹر کا اصل سوال جواب طلب ہی رہے گا:

ہم ووٹ ڈالنے کے لیے آئے تھے، اب آپ کیا کریں گے؟ [بشکریہ: الجزیرہ العربیہ]



مغربی استعماریت اور صہیونیت سے پاک دنیا کیسی ہوگی؟

اصل سوال تو یہ ہونا چاہیے کہ صہیونیت کا مستقبل کیا ہے؟ تاہم یہ سوال اپنی جگہ اہم ہے۔ صہیونیت کا خاتمہ یا اس سے پاک دنیا پھر فلسطین کی دنیا ہوگی۔ یہ ایک لازمی امر ہے کہ آخری زمانہ میں حتمی معرکہ یہودیت اور اسلام کا ہوگا۔ یہ معرکہ اسلام اور اس وقت کے نام نہاد یہودیوں کے درمیان ہوگا۔ تاہم یہ امکان بھی ہوسکتا ہے کہ یہودیت تب صہیونیت کی پشت پر ہو اور وہی اس کا خاتمہ بھی ہوگا۔ (ادارہ)

اس سال اسرائیل پر کتابوں کی اشاعت کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ اس سیلاب میں ایک کتاب:

Decolonizing Palestine and Confronting Zionism: Building the World Anew ہے۔ اس کتاب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ اس مسئلہ پر ایک انقلابی فکر کی حامل کتاب ہے۔

صہیونی نظریہ دراصل نظریۂ اسرائیل کے فلسطین پر قبضہ کی بنیاد ہے۔ یہ فلسطین کی آزادی کے خاتمے کی اساس اور سارے مسئلہ کی جڑ ہے۔ ایراکات اور رینالڈس نے اس حقیقت کو اپنی کتاب کا موضوع بنایا ہے۔ اس نظریہ سے تصادم ناگزیر ہے۔ اس لیے جو حلقے حماس پر تنقید کرتے ہیں کہ وہ ایک ہاری ہوئی جنگ لڑتی رہی ہے، وہ خود بتائیں کہ دوسرا راستہ کیا ہے؟ غلامی، موت اور صرف تباہی۔۔۔؟

اسرائیل کے آبادکار یہودی، خواہ وہ اسرائیل میں ہوں یا مقبوضہ عرب علاقوں میں ہوں، وہ نوآبادیاتی غاصب ہیں۔ وہ قابض ہیں، انہوں نے جنوبی افریقہ سے بھی کہیں سخت اور ظالمانہ نسل پرست انتظام فلسطینیوں پر مسلط کر کے ان کی سرزمین پر امریکہ اور مغرب کی مدد سے قبضہ کر رکھا ہے۔ اس کو پون صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔

ایراکات اور ایرنالڈس انسانی حقوق کے بین الاقوامی طور پر مسلمہ ماہرین ہیں۔ وہ کوئی فلسطینی نہیں ہیں۔ رینالڈس آئرلینڈ کی مے نوتھ یونیورسٹی (Maynooth University) میں لاء کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ وہ ایمپائر، ایمرجنسی اور بین الاقوامی قانون پر 2017ء میں عالمی شہرت کی حامل کتاب لکھ چکے ہیں۔ جب کہ ایراکات رائیٹرز یونیورسٹی امریکہ میں پروفیسر ہیں۔ وہ: Justice for Some: Law and Questiion of Palestine کے ٹائٹل سے 2019ء میں شائع ہونے والی کتاب کی مصنفہ ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں عزم ظاہر کیا تھا کہ وہ ''صہیونیت کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟'' کے عنوان پر کتاب لکھیں گی۔ اس میں وہ فلسطین کی آزادی کے بارے میں ایک نیا راستہ تجویز کریں گی۔ اس نئے خیال یا راستہ کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ اس صہیونی نوآبادیات کے خاتمے کے لیے اس پہلو پر خصوصی توجہ دیں گی کہ اسرائیل کے قیام کا نوآبادیاتی پراجیکٹ کیا تھا۔

اس پہلو کو واضح کرتے ہوئے دونوں مصنفین نے دلائل میں کہا تھا کہ صہیونیت کی نسل پرست فطرت کو سامنے رکھے بناء اس کا سامنا کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اس کے یہودی انتہا پسند قوانین کا تفصیل سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ صہیونی پراجیکٹ اور مغربی استعماریت کے درمیان بہت گہرا تعلق ہے۔

نوآبادیاتی سیٹلر پراجیکٹ کی کامیابی کے لیے صہیونیت نے فلسطینی خاتمے کا جو نقشہ سامنے رکھا ہے، وہ اپنی اصلیت میں انتہا درجے کی فاشزم ہے۔

اوسلو کی ناکامی: Confronting Zionism میں ان تمام کارروائیوں کو یکسر مسترد کیا ہے جن کو ایک سیاسی سوچ کے طور پر ہرنا کام عمل برائے امن کے پس منظر میں اختیار کیا گیا۔ اس سوچ کے زیر اثر فلسطین کے دو ریاستی حل کی ہر سطح پر مخالفت کی گئی۔ یہی مخالفت 1993ء کے اوسلو عمل برائے امن کی ناکامی کی وجہ بنی۔ اس کی اصل اساس جاننے کے لیے دونوں مصنفین نے فلسطینی تجزیہ کاروں کے مضامین کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ انہوں نے دوسرا کام یہ کیا کہ اوسلو معاہدوں کے بعد اسرائیل اور تنظیم آزادی فلسطین یعنی پی ایل او کے بین السطور اور کھلے عام عزائم، اقدامات اور جملہ سرکاری احکامات کا جائزہ بھی تیار کیا۔ یہ عرق ریزی سے کیا گیا کام تھا۔

ایراکات اور رینالڈس نے فلسطینی سکالرز، ماہرین قانون اور فیاض اے سیج کے کام کا مکمل مطالعہ کیا۔ فیاض نے 1965ء میں ایک کتاب Zionist Colonialism in Palestine لکھی تھی۔ یہ کتاب 2012ء میں Journal of Settler Colonial Studies میں شائع ہوئی تھی۔

دونوں نے بہت دقت نظر اور محنت سے ایک کام اور بھی کیا۔ انہوں نے یہ جائزہ لیا کہ دنیا بھر میں جنوبی افریقہ اور اسرائیل طرز کی جس قدر نسل پرست حکومتیں تھیں، ان کی فلسطینی جدوجہد سے یکجہتی کے اقدامات کو بھی دیکھا۔ یہ کام 1975ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ڈیکلریشن کی بنیاد بنا۔ اس کا عنوان ''صہیونیت، نسل پرستی کی ایک صورت'' رکھا گیا۔

Confronting Zionism میں ایک اہم کام یہ بھی کیا گیا کہ اس کتاب میں ایک تفصیلی تجزیہ دیا گیا کہ فاشزم اور صہیونیت کے درمیان مشترکات کیا ہیں؟ اس میں پہلی مرتبہ بیان کیا گیا جو 1985ء اقوام متحدہ کے بین الاقوامی کنونشن آن دی سپریشن اور نسل

پرستی کے جرائم کی سزاؤں کا تعین کرتا ہے۔ اس میں جنوبی افریقہ اور اٹلی کے فاشزم اور نسل کشی کے اقدامات کو اجاگر کیا گیا۔ اس کا ذمہ جرمنی اور اٹلی کی حکومتوں پر ڈالا گیا۔ انہوں نے 20ویں صدی کے وسط میں ان جرائم کا سنگین ارتکاب کیا تھا۔

اٹلی کے اقدامات موجودہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے اسرائیل کے لیے کیے گئے اقدامات سے گہری مماثلت رکھتے ہیں۔

دونوں مصنفین نے نوآبادیات کے خاتمے پر بھی قابل قدر کام کیا۔ اس میں ایک مرتبہ پھر صہیونیت کی نسل پرستی اور فلسطینی جدوجہد کے باہم متوازی اقدامات کو دیکھا گیا۔ یہ جائزہ اوسلو معاہدوں کی وعدہ شکنی کی روشنی میں تیار کیا گیا۔ اس وعدہ شکنی کے تحت فلسطینی جدوجہد سے وابستگی میں اضافے کا بھی خصوصی مطالعہ بھی اس کام کا حصہ ہے۔

ان تمام کوششوں کی مدد سے مصنفین کو یہ علم ہو سکا کہ اوسلو معاہدہ کیوں ناکام ہوا۔ انہوں نے ان وجوہات کا بھی تعین کیا جو واضح کرتی ہیں کہ 2017ء میں فلسطینی مفکر باصل الایرج کو اسرائیل میں پھانسی دینے میں محرکات کے طور پر کیسے شامل ہوئیں۔ اس میں پھانسی دیے جانے کی وجہ بنیادی طور پر یہ تھی کہ باصل نے دنیا کو باور کرایا کہ اوسلو معاہدہ دراصل پی ایل او سے اسرائیلی مقاصد کس طرح سے تکمیل میں کیا گیا۔ اس میں پی ایل او نے سب کنٹریکٹر کا کردار بہت چالاکی سے کیا۔

باصل کا دوسرا جرم یہ تھا کہ وہ 2011ء سے فلسطینیوں سمیت ساری دنیا کو بتا اور دیکھا رہا تھا کہ یہودی آبادکاری دھیرے دھیرے ہی سہی سارے مغربی کنارے کو ہڑپ کرتی جا رہی ہے۔ انہوں نے دیگر مثالیں پیش کیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ بہت سے امریکی دانش ور مغربی کنارے کو اسرائیل میں ضم کرانے کی کارروائیوں میں اسرائیلی حکومت کے لیے اقدامات تجویز کر رہے تھے۔ اس کام میں پی ایل او کی فلسطینی اتھارٹی پس پردہ رہ کر کام کر رہی تھی۔

جب باصل کو فلسطینی اتھارٹی کی قید سے رہا گیا تو ان پر الزام تھا کہ وہ اسرائیلی حکومت کے خاتمے کے لیے سرگرم تھے، ان کو اسرائیل نے یہ کہہ کر گرفتار کر لیا کہ وہ بعض اسرائیلیوں کے قتل میں ملوث پائے گئے۔ یہ واقعات مغربی کنارے کے علاقے البیرہ میں ہوئے تھے۔ حالاں کہ یہ علاقے فلسطینی اتھارٹی کے مکمل کنٹرول میں تھے۔

نسل پرستی کیا ہے؟ فلسطین کی آزادی کے لیے اگرچہ کچھ ابتدائی نوعیت کی کامیابیاں فلسطینیوں کو ضرور ملیں لیکن ان سے صہیونیت کے پنجوں سے آزادی حاصل نہ کی جا سکی۔ اس کا سبب صہیونیت کا بہت سخت کنٹرول بنیادی وجہ رہا۔ اسرائیل نے دنیا بھر کی تنقید کو پاؤں کی جوتی کی نوک پر رکھا۔ امریکہ پیٹھ ٹھونکتا اور برطانیہ و جرمنی ساتھ دیتے رہے۔ ان اقدامات کے پس منظر کو سامنے لاتے ہوئے مصنفین نے نسل پرستی پر رپورٹس کا تنقیدی جائزہ لیا۔ اس طرح صہیونیت کے کنٹرول کے زیر اثر نوآبادیات کے پھیلنے کو مسئلے کی جڑ کے طور پر نمایاں کیا۔ یہ کام 2011ء سے بعد تک بطور خاص کیا گیا۔

بہ نظر یہ ایک بہت اہم نوعیت کا کام تھا لیکن یہ اہم ترین کام بھی نسل پرستی کے جرائم کو اچھی طرح سامنے نہ لا سکا۔ اس کے پس پردہ اسرائیلی گروہوں Yesh Din اور B'Setem کی مزاحمت تھی۔ انہوں نے بہ ظاہر اسرائیل کی انسانی حقوق کی پامالیوں پر رپورٹیں پیش کیں لیکن ان کا اصل کام یہ تھا کہ اس آڑ میں انہوں نے اسرائیل کو نسل پرست قرار دلوانے کی کوششوں کی ناکامی میں بہت نمایاں کردار ادا کر کے اسرائیل سے حق نمک کی در پردہ داد وصول کی۔

اس دوران میں مسئلے کی سنگینی میں اضافہ کی ایک اور نہایت تکلیف دہ وجہ سامنے آئی۔ دونوں مصنفین نے پہلی مرتبہ دنیا کو بتایا کہ نسل پرستی کیسی مسلسل اور سخت بھی ہو، یہ آبادکار نوآبادیات کا ساتھ چھڑانے میں ناکامی کو دور نہ کر سکی۔ سیٹلر نوآبادی جاری رہی اور جاری ہے۔

اسی طرح سے اب الیکشن ہارنے والے اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو اور ان کے وزیر دفاع یوآف گیلانٹ کے بین الاقوامی عدالت سے وارنٹ جاری ہونے کے باوجود انہیں گرفتار نہیں کیا یا کیا جا سکا۔ اس دوران میں نیتن یاہو نے امریکہ کے پے در پے دورے کیے، برطانیہ اور جرمنی گئے، یونان کے راستے پروازیں بھرتے رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ روم کنونشن کے تحت نسل پرستی قابل گرفتاری وارنٹ کی بات ہی نہیں کرتا۔ اس طرح یہ ایک برائے نام قانون ہے۔ لیکن اسرائیل اور امریکہ کے خلاف کوئی حرکت کر کے دیکھے، یہ فوراً حرکت میں آئے گا۔ 1998ء کے اس قانون میں بہت سقم چھوڑ دیے گئے جن کے تحت روم ٹریٹی تو وجود میں آ گئی اور جرائم کے انسداد کی بین الاقوامی عدالت بھی بنا دی گئی، یہ دونوں عنوانات بہت خوش کن اور اثرات کے اعتبار سے اس سے زیادہ بدبودار ثابت ہوئے۔

اس عدالت نے اور بھی سنگین الزامات لگائے۔ یہ عدالت 75000 فلسطینیوں کے قتل عام اور نسل پرستی تو بھول گئی، اسے صرف یہ یاد رہ گیا کہ حماس نے اسرائیل کے خاتمے کا جرم کیا ہے، پھر کسی نے یاد دلایا کہ ان سے کہیں سنگین جرم تو نیتن یاہو اور گیلانٹ نے کیے ہیں، پھر انہیں بادل نخواستہ مجرم قرار دیا گیا۔ یہ تسلیم کیا گیا کہ فلسطینیوں کی جدوجہد آزادی ہے، پھر بھی ان کے لیڈران کو جرم سرزد کرنے کا مرتکب قرار دیا گیا۔

مصنفین نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا کہ بین الاقوامی قانون کا حقیقی نفاذ کس طرح ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ یہ تجویز کیا گیا کہ استعماریت اور نوآبادیات کو برابر کے جرائم قرار دیا جائے۔ اس سلسلے میں ایراکات اور رینالڈس نے 1951ء میں اقوام متحدہ کے سول رائٹس کانگریس کی جانب توجہ بھی مبذول کرائی۔ اس میں سیاہ فام امریکیوں کے قتل عام کو نمایاں کیا گیا۔ اس سلسلے میں کانگریس میں دعویٰ دائر کیا گیا جس کا عنوان We Charge Genocide رکھا گیا۔ دونوں مصنفین نے بتایا کہ اسرائیل کے ہاتھوں فلسطینی نسل کشی اور اس سے پہلے سیاہ فام امریکیوں کو دبانے کے جرائم یکساں شدت کے حامل تھے۔

مصنفین نے کتاب کے آخری بات کا عنوان یہ رکھا:

Spoon By Spoon Decolonizing Palestine

اس میں سیاسی عدم نوآبادیات کے لیے سیکھے گئے اسباق و تجربات کا ذکر کیا گیا۔ جنوبی افریقہ سے فلسطین تک کی تلخ یادوں کو نمایاں کیا گیا۔

اس میں اس نکتے پر بھی بات کی گئی کہ کیا اگر ایک ہی سیکولر ملک اسرائیل بھی ہو تو کیا فلسطینی زندگی کی ضمانت دی جا سکتی ہے؟

اس بارے میں امریکی مصنفہ لارا کیلانی کی رائے پیش کی گئی جو انہوں نے اپنی کتاب 25 Modowoiss میں دی تھی۔ کتاب کے آخر میں تجویز کیا گیا ہے کہ دنیا کے نظام یا ورلڈ آرڈر کو نئے سرے سے ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ مصنفین نے بار بار 2021ء کی فلسطینی انتفادہ کا حوالہ دیا ہے جس نے فلسطینی گروہوں کو ایک کر دیا تھا جو ایک جنرل سٹرائیک میں اسرائیل کے خلاف متحد تھے۔ اس کا موازنہ 1936ء کی عرب بغاوت سے کیا گیا ہے۔

صہیونیت کو ایک نظریے کے طور پر زیر بحث لاتے ہوئے کتاب میں لکھا گیا ہے کہ مغرب کی استعماریت کی موجودگی میں فوجی اور نسلی اعتبار سے اس کا خاتمہ بہت مشکل ہے۔ اس کے لیے مغربی استعماریت کا خاتمہ اور امریکی چھتری کا توڑا جانا شرط اولین ہے۔ فلسطین اس استعماریت سے آزادی کی علامت ضرور ہوگا تاہم پوری دنیا کو مل کر جدوجہد کرنا ہوگی۔



فلسطینی عرب ووٹرز پہلی بار پر امید تھے

اسرائیل کے عام انتخابات میں مسلم/عرب ابھار دیکھا گیا ہے۔ یہ ابھار مستقبل میں کیا شکل اختیار کرسکتا ہے۔ اس ضمن میں عرب جماعتوں اور حزب اختلاف کی ذمے داریاں کیا ہیں، اس موضوع پر الجزیرہ نے ایک جامع رپورٹ شائع کی ہے جو صورت حال کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ فرید سرور جعفری صاحب کے شکریے کے ساتھ یہ رپورٹ احباب کی نذر ہے

1۔ عرب ووٹروں کی غیر متوقع بڑی تعداد

ایسے وقت میں جب سیاسی افق اتنا تنگ دکھائی دیتا ہے کہ گویا سانس لینا بھی دشوار ہو، عرب ووٹر توقعات سے بڑھ کر تعداد میں ووٹ ڈالنے کے لیے باہر نکلے۔

حیرت صرف اس بات پر نہیں کہ عرب سیاسی جماعتوں کو کتنی نشستیں مل سکتی ہیں، بلکہ اصل حیرت اس فیصلے میں ہے کہ لوگ ووٹ ڈالنے کے لیے باہر نکلے۔ لوگ جانتے ہیں کہ ان کا سیاسی اثر و رسوخ محدود ہے، اسرائیلی اپوزیشن انہیں حقیقی شراکت داری کی پیشکش نہیں کرتی، اور موجودہ حکومت ایسی پالیسیاں اختیار کر رہی ہے جو ان کی روزمرہ زندگی کے ساتھ ساتھ ان کے قومی مسئلے کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ اس کے باوجود وہ ووٹ ڈالنے گئے۔

انہوں نے عرب جماعتوں کو ایسا انتخابی وزن دیا جو گزشتہ انتخابات میں اس درجے پر موجود نہیں تھا۔ اس طرح انہوں نے ایک ایسا سوال دوبارہ اٹھا دیا جسے اب عمومی نعروں کے پیچھے چھپایا یا مزید مؤخر نہیں کیا جاسکتا:

آپ ان ووٹوں کے ساتھ کیا کریں گے جو تمام مشکلات کے باوجود آپ کو ملے ہیں؟

2۔ ووٹر اپنے امیدواروں سے زیادہ جرأت مند دکھائی دیا۔ یہاں ووٹر اپنے امیدواروں سے زیادہ جرأت مند نظر آیا۔ وہ اس حقیقت سے واقف تھا کہ راستہ تقریباً بند ہے اور ممکن ہے کہ اسرائیلی اپوزیشن میں اسے ایسا شریک نہ ملے جو اس کی توقعات پوری کر سکے۔ اس کے باوجود اس نے ووٹ دیا، کیونکہ وہ موجودہ حکومت کو مزید موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ ووٹ جماعتوں کو کھلی چھوٹ دینے کے مترادف نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں۔ بلکہ یہ ایک مشروط موقع ہے، جس کے نتائج کی بنیاد پر ان سے جواب طلب کیا جاسکتا ہے۔

جو لوگ زیادہ ووٹ ڈالنے کو عرب جماعتوں پر مکمل اعتماد کی تجدید سمجھ رہے ہیں، وہ صورتِ حال کو غلط پڑھ رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے ووٹ کو دفاع کے دستیاب ذرائع میں سے ایک سمجھ کر استعمال کیا، لیکن ضروری نہیں کہ انہوں نے ان جماعتوں کے منشور کو قبول بھی کر لیا ہو یا انہیں اس بات کا یقین ہو کہ یہ جماعتیں عملی کامیابیاں حاصل کر سکیں گی۔ مکمل اختیار دینے اور محدود موقع دینے میں بڑا فرق ہے۔ بہت سے ووٹروں نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے۔

3۔ عرب شہریوں نے ووٹ کیوں دیا؟

ووٹ دینے کے محرکات مختلف تھے، اور ممکن ہے کہ ایک ہی شخص میں کئی محرکات جمع ہوں:

سیاسی عمل پر اثر انداز ہونے کی خواہش۔

حکومت کی پالیسیوں کو روکنے کی کوشش۔

بنیامین نیتن یاہو کو طویل عرصے تک اقتدار میں رہنے پر سیاسی سزا دینے کا جذبہ۔

غزہ کی جنگ کے دوران جمع ہونے والا غصہ۔

روزمرہ زندگی، جان و مال اور بنیادی تحفظ کے بارے میں بڑھتا ہوا خوف۔

زمین اور رہائش کے مسائل اور اپنی جگہ پر محفوظ زندگی گزارنے کی خواہش۔

کوئی ووٹر اسرائیلی اپوزیشن کی تمام جماعتوں پر شک کر سکتا ہے اور انہیں اپنا قابلِ اعتماد شریک بھی نہ سمجھتا ہو، لیکن پھر بھی ووٹ ڈال سکتا ہے، کیونکہ وہ موجودہ حکومت کو بغیر کسی سیاسی قیمت کے اقتدار جاری رکھنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

اس لیے زیادہ ووٹ ڈالنے کا مطلب لازماً یہ نہیں کہ عرب شہریوں نے اسرائیلی سیاسی نظام سے مصالحت کر لی ہے یا اس کے موجودہ قواعد کو قبول کر لیا ہے۔ بلکہ یہ اس نظام کے اندر دستیاب ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اس کی پالیسیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش بھی ہو سکتی ہے۔

یہ غزہ کی جنگ شروع ہونے کے بعد اسرائیلی پارلیمان (کنیسٹ) کے پہلے انتخابات ہیں۔ اس لیے یہ محض ایک عام انتخابی واقعہ نہیں ہے، بلکہ فلسطینی شہریوں کے سیاسی اظہار پر مسلسل پابندیوں اور جنگ کے دوران جمع ہونے والے غصے کے اظہار کا ایک راستہ بھی ہے۔ اس مرتبہ قومی غصہ اور روزمرہ زندگی کا خوف ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔ چنانچہ ووٹ ڈالنا بیک وقت اپنی قوم اور اپنی ذاتی زندگی کے دفاع کی کوشش بن گیا۔ ووٹ دینے والا صرف کسی دور کے بڑے قومی مسئلے کے لیے ووٹ نہیں دے رہا، بلکہ وہ اپنے اس حق کے لیے بھی ووٹ دے رہا ہے کہ وہ اپنی جگہ پر امن سے رہ سکے، اسے مستقل خطرہ نہ سمجھا جائے اور اسے محض ایک انتخابی گروہ کے طور پر استعمال کر کے بعد میں نظر انداز نہ کر دیا جائے۔

4۔ عرب جماعتوں کے انتخابی نتائج کا کیا مطلب ہے؟

عرب ووٹوں کی تقسیم کو سمجھنے کے لیے صرف یہ اعلان کر دینا کافی نہیں کہ ایک سیاسی راستہ جیت گیا اور دوسرا ہار گیا۔

یہاں دو اہم سیاسی اتحادوں کا ذکر ہے:

الف۔ مشترکہ فہرست (القائمۃ المشترکۃ): ایک قومی اور بائیں بازو کا اتحاد، جس میں عرب جماعتیں شامل ہیں، مثلاً الجبہہ اور التجمع۔

ب۔ متحدہ عرب فہرست (القائمۃ العربیۃ الموحدۃ): جنوبی اسلامی تحریک کا سیاسی بازو۔

متحدہ عرب فہرست کا مشترکہ فہرست سے پیچھے رہ جانا بذاتِ خود اس کی شکست کا قطعی ثبوت نہیں۔ اسی طرح مشترکہ فہرست کی برتری کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس کے ووٹروں نے پارلیمانی تعاون کی ہر صورت کو مسترد کر دیا ہے۔

یہاں تین چیزوں میں فرق کرنا ضروری ہے:

حاصل ہونے والی پارلیمانی نشستیں۔

حاصل ہونے والے ووٹوں کی مجموعی تعداد۔

عرب ووٹوں میں ہر جماعت کا تناسب۔

مصنف کے خیال میں ممکن ہے کہ بعض ووٹر سیاسی اثر و رسوخ چاہتے ہوں، لیکن وہ اس کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ مثلاً وہ اپنے منشور سے بنیادی سمجھوتے یا ایسی سیاسی شراکت داری قبول کرنے کو تیار نہ ہوں جسے وہ ان پالیسیوں کو معمول پر لانے کے مترادف سمجھتے ہیں جنہیں وہ مسترد کرتے ہیں۔

لہٰذا صرف ووٹوں کے اعداد و شمار سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ کس جماعت کے ووٹر کیا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے ووٹروں نے اپنی جماعتوں کو مذاکرات کرنے کا اختیار دیا ہو، لیکن اس اختیار کے استعمال کی شرائط اور حدود کے بارے میں ان کی رائے مختلف ہو۔

5۔ کیا عرب ووٹ نیتن یاہو کو اقتدار سے ہٹا سکتے ہیں؟

اسرائیلی اپوزیشن کا وہ حلقہ جو نیتن یاہو کی جگہ کسی اور کو لانا چاہتا ہے، اب ایک اہم امتحان سے دوچار ہے۔

سوال یہ ہے: کیا وہ عرب جماعتوں کو فیصلہ سازی میں حقیقی شریک تسلیم کرے گا، یا صرف ان کی پارلیمانی نشستوں سے فائدہ اٹھانا چاہے گا، جبکہ انہیں جائز سیاسی شراکت دار ماننے سے گریز کرے گا؟

اگر یہ اپوزیشن نیتن یاہو کو اقتدار سے ہٹانا چاہتی ہے، لیکن اس مقصد کے لیے عرب ارکانِ پارلیمان کے ووٹ قبول کرنے سے انکار کرتی ہے، تو وہ خود سیاسی شراکت داری کی حدود متعین کر رہی ہوگی۔ اس صورت میں نیتن یاہو کا اقتدار برقرار رہنا صرف اس کے اپنے اتحادیوں کی طاقت پر منحصر نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مخالفین کے فیصلوں اور ان حدود پر بھی منحصر ہوگا جو وہ خود اپنے لیے مقرر کرتے ہیں۔

حسابی اعتبار سے نیتن یاہو کے خلاف اکثریت بننے کا امکان موجود ہو سکتا ہے، لیکن اس اکثریت کا حقیقتاً متحد ہو کر کام کرنا ابھی ثابت ہونا باقی ہے۔

کسی رہنما کی مخالفت پر اتفاق کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے متبادل، نئی حکومت کے پروگرام یا پارلیمان میں آئندہ اقدامات پر بھی اتفاق ہو گیا ہے۔

کنیسٹ کے اسپیکر کے انتخاب پر اتفاق ایک ابتدائی امتحان ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ آیا مختلف سیاسی قوتیں اپنے مشترکہ مفادات کو مشترکہ ووٹ میں تبدیل کر سکتی ہیں یا امیدوار کی شناخت اور سیاسی سودے بازی پر اختلافات ان کے اتحاد کو ابتدا ہی میں محدود کر دیں گے۔

6۔ عرب جماعتیں حکومت کے ساتھ کس طرح تعاون کر سکتی ہیں؟

مصنف واضح کرتا ہے کہ تعاون کی مختلف صورتوں میں فرق کرنا ضروری ہے:

حکومت میں باقاعدہ شامل ہونا۔

حکومت میں شامل ہوئے بغیر باہر سے اس کی حمایت کرنا۔

حکومت کے قیام کو ممکن بنانے کے لیے ووٹنگ سے غیر حاضر رہنا یا غیر جانب دار رہنا۔

مخصوص معاملات پر حکومت کے ساتھ تعاون کرنا۔

اصل سوال یہ ہے کہ ان میں سے ہر صورت کے لیے کون سی شرائط ضروری ہوں گی، تاکہ عرب ووٹرز کے سامنے اس تعاون کا جواز پیش کیا جا سکے۔ عرب جماعتوں کی نشستوں کی اہمیت صرف ان کی تعداد سے متعین نہیں ہوگی، بلکہ اس بات سے بھی ہوگی کہ وہ ان نشستوں کو استعمال کرنے کی شرائط پر کس حد تک متفق ہو سکتی ہیں۔ اگر ہر جماعت الگ الگ مذاکرات کرے گی، تو اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے فریق ان سے الگ الگ سودے بازی کریں۔ اس طرح تمام جماعتوں کے مشترکہ مطالبات کمزور ہو سکتے ہیں اور ان کی انتخابی طاقت الگ الگ حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

اس لیے عرب جماعتوں کے درمیان کم از کم بنیادی نکات پر رابطہ اور ہم آہنگی محض اخلاقی اپیل یا اتحاد کی خواہش نہیں، بلکہ ایک سیاسی ضرورت ہے۔ انہیں واضح کرنا ہوگا کہ وہ کن چیزوں کو روکنا چاہتے ہیں، کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کن شرائط پر محدود تعاون کے لیے تیار ہو سکتے ہیں۔ اگر ان شرائط پر کم از کم اتفاق بھی نہ ہوا تو وہ محض حکومت کو روکنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے طویل انتظار میں پڑ سکتے ہیں، جبکہ موجودہ حکومت روزمرہ کے حالات پر اپنا اختیار برقرار رکھے گی۔ الجزیرۃ نت

7۔ عرب ووٹروں کے سامنے ایک اور خطرہ

مصنف ایک اور خطرے کی نشان دہی کرتا ہے: کہیں یہ انتخابی جوش و خروش ایک مرتبہ پھر سیاسی تعطل میں ضائع نہ ہو جائے، اور ایک یا دو سال بعد ووٹروں سے دوبارہ یہی کہا جائے کہ اسی دلیل کی بنیاد پر ووٹ ڈالنے کے لیے باہر نکلیں۔

غصہ ہمیشہ لوگوں کو بار بار ووٹ ڈالنے پر آمادہ نہیں رکھ سکتا، اور عوام کو بڑی تعداد میں متحرک کرنے کی صلاحیت بھی لامحدود نہیں ہوتی۔

اسی لیے عرب جماعتوں کو، اپنے مختلف سیاسی طریقۂ کار کے باوجود، کم از کم اس بات پر اتفاق کرنا چاہیے کہ وہ اپنی نشستوں کو کن شرائط کے تحت استعمال کریں گی۔

صرف نشستوں کی تعداد اور انتخابی کامیابی کا جشن منانا کافی نہیں۔ اصل امتحان یہ ہے کہ ان نشستوں سے کوئی قابلِ محسوس سیاسی نتیجہ حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔

8۔ اختتامیہ: ہم ووٹ ڈالنے آئے تھے، اب آپ کیا کریں گے؟

مصنف کے مطابق، عرب ووٹر نے انتخابی قوت پیدا کی ہے، اور ممکن ہے کہ اس نے اپنی سیاسی قیادتوں سے زیادہ جرأت کا مظاہرہ کیا ہو۔

آنے والا مرحلہ یہ واضح کرے گا کہ کون اس قوت کو عملی اثر و رسوخ میں بدل سکتا ہے۔

عرب جماعتوں کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ دوسروں سے مذاکرات شروع ہونے سے پہلے اپنی نشستوں کے استعمال کی شرائط پر اتفاق کر سکتی ہیں۔ اسرائیلی اپوزیشن کو یہ دکھانا ہوگا کہ وہ عرب جماعتوں کے ساتھ حقیقی شراکت داری کی سیاسی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہے، نہ کہ صرف ان کی نشستوں سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ اگر صرف نشستوں اور ووٹوں کے اعداد و شمار پر خوشی منائی گئی، تو ووٹر کا اصل سوال جواب طلب ہی رہے گا:

ہم ووٹ ڈالنے کے لیے آئے تھے، اب آپ کیا کریں گے؟ [بشکریہ: الجزیرہ العربیہ]

دامن خیال: مرزا محمد الیاس



غزہ کی مزاحمت زندہ رہے گی!

جب میں پیچھے مڑ کر اپنی اس زندگی پر نظر ڈالتا ہوں جو میں نے اب تک غزہ میں گزاری ہے، جہاں اکتوبر 2023ء سے پہلے میری پرورش ہوئی۔ میری ایک ہی خواہش رہی: ''میں امریکہ یا یورپ چلا جاؤں اور پھر میں واپس آنے کے بارے میں سوچنا بھی نہ چاہوں۔ میں اپنے وطن کے بارے میں بھی کچھ نہ خیال کروں۔''

''کس ملک میں جاؤں؟ یونیورسٹی میں گزرے میرے مہ و سال، میرا خاندان، کسی کے پاس یونیورسٹی واجبات ادا کرنے کے پورے پیسے نہ ہوتے۔''

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے والد نے مجھے ایک استعمال شدہ آئی فون دلانے کے لیے کس طرح کہیں سے 300 ڈالر ادھار لیے تھے۔ تب میں یونیورسٹی میں ٹاپ کر چکا تھا۔ تب یہ ابتدائی سال تھے۔

میرے والد یونیورسٹی جانے کے لیے جو بھی رقم مجھے دیتے تھے، اس سے ٹیکسی کا کرایہ ہی بہ مشکل پورا ہو پاتا۔ یہی وجہ تھی کہ میں یونیورسٹی میں اپنے دوستوں سے بار بار ادھار رقم لیا کرتا۔ اسی سے میں اپنی یونیورسٹی کی زندگی کے مزے لیتا۔

بعض اوقات میں اپنے گھر، جو جبالیہ میں تھا، سے کیمپس تک پانچ کلومیٹر پیدل جایا کرتا اور اسی طرح سے گھر واپس آیا کرتا تھا۔

میرے تمام کپڑے اور جوتے سیکنڈ ہینڈ تھے۔ میں یہ ان چیزوں کی خریداری پرانی دکانوں سے کیا کرتا تھا۔ میرے بہت سے دوست بھی اسی طرح سے گزر بسر کیا کرتے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اکتوبر 2023ء سے پہلے 17 سال سے غزہ کی مکمل اور سخت ناکہ بندی اسرائیل نے کر رکھی تھی۔

میری ترجیحات بہت بلند تھیں۔ ان میں سے ایک تو یہی تھی کہ میں ہر مرتبہ اپنی کلاس میں اول آؤں تاکہ مجھے ٹیچنگ اسسٹنٹ کی ملازمت مل سکے۔ میں اسلامک یونیورسٹی غزہ کا طالب علم تھا۔

میں دن رات محنت کرتا تھا کیوں کہ غزہ کی جاب مارکیٹ میں جگہ بنانے کا مقابلہ بہت کڑا تھا۔ بے روزگاری 45 فیصد تھی۔ یونیورسٹی سٹوڈنٹس کے لیے بے روزگاری کی شرح 73 فیصد ہو جاتی تھی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے ایک گروپ جوائن کیا تھا جو فلسطین کا آن لائن دفاع کرتا تھا۔ یہ بھی ایک دوست کے تعاون سے ہی ممکن ہوا تھا۔ وہ مجھ سے پہلے سے اس گروپ سے وابستہ تھا۔ وہ مجھے بتاتا کہ یہ گروپ تین ماہ یا اس کے آس پاس وظیفہ دیا کرتا تھا۔

جب میں نے لکھنا اور صحافت شروع کی تو سوچتا کہ اس رقم سے زندگی میں کچھ آسانی لا سکوں گا۔ کون نہیں چاہتا؟

شروع میں فلسطینی دفاع کے لیے کام کرنا لازمی طور پر میری پہلی ترجیح نہ تھی۔ امن کے باوجود کہ میں اسے بھی اہم کام سمجھتا تھا۔

ایک نوجوان کے طور پر، جو سوچتا تھا کہ ابھی مستقبل اس سے زیادہ کچھ میرے لیے رکھتا ہے۔ اس کے باوجود خیال آتا کہ فلسطین ایک بند باب ہے، اس کے صفحات بھی خالی ہیں۔ یہ تباہ کن تشخیص تھی۔

جب اسرائیل نے نسل کشی کا آغاز کیا تو پہلا ہفتہ خوف کے درمیان گزرا۔ ہر طرف تباہی اور موت تھی۔ میں لیوکیمیا میں مبتلا تھا۔

جس طرح سے دہشت کا منظر تھا، میں خوش قسمت رہا کہ مجھے غزہ سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ میرا اردن میں علاج ہونے لگا۔

جب میری کیموتھراپی کا آغاز ہوا تو میرے ہیماٹولوجسٹ نے مجھے بتایا کہ اس علاج کے لیے کسی بھی ذہنی دباؤ سے آزاد رہنا بہت اہم ہے۔ کم از کم علاج کی مدت میں تو ایسا بہت ضروری ہے۔

مجھے تو اسرائیل کی موت بانٹتی مشین سے براہ راست کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ذہنی دباؤ سے آزاد رہا۔ کم از کم کوئی آسان مرحلہ نہیں تھا۔ مجھے مستقل اپنے اہل خاندان کے بارے میں تشویش گھیرے رکھتی۔ میرے دوست، جو غزہ میں تھے، یاد آتے۔

میں مستقل طور پر ان کے بارے میں جانتا رہتا میں سوشل سائیٹ (X) کے ذریعے غزہ کے حالات بیان کرتا رہتا۔

لیکن پھر اسرائیل نے میرے دوست محمد حامد کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ نومبر میں ہوا۔ دسمبر میں میرے استاد پروفیسر ڈاکٹر رفعت العریر بھی شہید کر دیے گئے۔ میں ان دونوں کے بارے جانے کے نقصان کو کبھی برداشت نہ کر سکا۔ مجھے بعد میں احساس ہوا کہ یہی میری زندگی کا موڑ تھا۔ مجھے اس احساس نے آن گھیرا کہ مجھے اپنے حصے کا کردار ادا کرنا ہے، میں غزہ کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ چناں چہ میں نے غزہ میں موجود اپنے دوستوں کا حوصلہ بڑھانا شروع کیا۔ میں نے ان کی یوں مدد شروع کی کہ میں ان کا حال باہر کی دنیا میں بتانا شروع کیا۔ میں میڈیا کو تازہ ترین حالات سے آگاہ کرتا۔ میرے دوست میرا ذریعہ بنتے۔ یوں ایک رابطہ بن جاتا۔ میرے دوست تو نسل کشی کو خود دیکھ رہے تھے۔

غزہ کے لوگوں نے جلد ہی مجھے بتانا شروع کر دیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں ان کی کہانیاں، ان کی آپ بیتی سے دنیا کو باخبر کرتا۔

کیموتھراپی کے مراحل کوئی آسان نہیں تھے۔ میری یہ کوشش رہتی کہ میں کسی کو بھی غزہ کے حالات سے آگاہ کرتا رہوں۔ وہ میرے پاس آتے اور جن کا مجھ سے رابطہ نہیں تھا، وہ کوشش کر کے مجھے سے رابطہ کرتے۔ مجھے بات کرتے۔ وہ دریافت کرتے کہ کیا لکھا جائے اور کیسے لکھا جائے، اسے ڈرافٹ کی شکل کیسے دی جائے۔ میں ان کے لکھے آرٹیکل ایڈٹ بھی کر دیتا۔ پھر وہ انہیں کہیں اشاعت کے لیے ارسال کر دیتے۔

میں نے محسوس کیا کہ میرے اندر اپنے فرض کی لگن بڑھتی جا رہی ہے۔ میں دیکھتا اور غزہ کے اندر سے اطلاعات ملتیں، کہانیاں ملتیں کہ اسرائیل کس بری طرح سے ہماری نسل ختم کرتا جا رہا ہے۔ کس طرح ہمارے پیاروں کی زندگی کے چراغ گل کرتا جا رہا ہے۔

لیکن تین سال کی نسل کشی کے بعد بھی، اور 74 ہزار سے زیادہ فلسطینیوں کو ذبح کرنے کے باوجود، میں سوچتا کہ اسرائیل کے منہ کو لگا انسانی خون کا ذائقہ کب ختم ہوگا، کب اس کی یہ پیاس بجھے گی؟

ابھی جون میں اسرائیل کی قابض فوج نے اعلان کیا کہ حماس جنگ کی دوبارہ تیاری کر رہی ہے۔

''حماس اب تک طاقت رکھتی ہے۔ اسے کوئی دھکا نہیں سکتا۔'' یہ اسرائیلی فوجی انٹیلی جنس کے اندازے تھے، وہ دعویٰ کرتی تھی کہ حماس خود کو دوبارہ منظم کر رہی ہے۔ وہ نئے ہتھیار حاصل کر رہی ہے۔ ایک سال پہلے یہ بات عام تھی کہ اسرائیلی آرمی پھر سے 7 اکتوبر 2023ء کا ڈرامہ رچانے کی تیاریوں میں ہے۔

اسرائیل اس تضاد بیانی سے خود کو آزاد نہیں کرا سکتا تھا۔ وہ ایک تازہ تصادم کے بہانے تلاش کر رہا تھا۔ وہ ایسی کارروائیاں بار بار کر رہا تھا کہ وہ تصادم کا ماحول بنائے اور خود ساختہ مزاحمت کو شدید بنا کے پیش کرے۔

7 اکتوبر کو اس کا نسل کش حملہ ایک انتظام قرار دیا گیا تھا۔ دراصل یہ فلسطینی حوصلے کو توڑنے کی مہم کا آغاز تھا۔ وہ ہماری مزاحمت ختم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اتنا بڑا قتل عام کرنے کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔

مزاحمت جاری رہے گی۔ اسے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کیوں یہ جاری رہے گی؟ ہمیں چاہیے کہ ہم یہ دیکھیں کہ 7 اکتوبر 2023ء کے بعد سے کیا ہوا؟ اسرائیل نے تب سے اب تک کیا کچھ نہیں کیا۔

2023ء میں عبرانی یونیورسٹی کے ماہر سماجیات باروخ کیمرلنگ نے اپنی کتاب Politicide میں لکھا تھا کہ غزہ ایک بہت بڑا کنسنٹریشن کیمپ ہے۔

اسی طرح سے 2004ء میں اسرائیلی جرنیل جیوزا آئیلیڈ نے بھی اسرائیل کو بہت بڑا کنسنٹریشن کیمپ قرار دیا تھا۔

بعض اسرائیلیوں کا کہنا ہے کہ۔۔۔ اسرائیل ایک بہت بڑا کنسنٹریشن کیمپ ہے جس پر اسرائیل کا براہ راست قبضہ ہے۔۔۔

اُسی سال ایریل شیرون کے ایک اہم مشیر آونون سوفر نے بتایا تھا کہ وزیر اعظم نے 2004ء یا 2005ء میں غزہ کو فلسطین سے بالکل الگ تھلگ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس نے یہ بات اسرائیل کے رسوائے زمانہ اخبار یروشلم پوسٹ کو دیے اپنے ایک انٹرویو میں کہی تھی۔

''جب 25 لاکھ لوگ غزہ کے ناکہ بندی کے ماحول میں رکھے جائیں گے تو یہ ایک بہت بڑی انسانی تباہی ہوگی۔'' سوفر نے مزید بتایا کہ ''اسرائیل کا اپنے فوجیوں کو ہٹانے کا منصوبہ اور آبادکار یہودیوں کو آباد کرنے کا پروگرام غزہ کے لوگوں کے لیے تباہ کن محاصرے کی صورت میں نمودار ہوگا۔'' اس نے مزید کہا:

''غزہ کی سرحدوں پر دباؤ شدید ترین ہوگا۔ یہ ایک خوفناک جنگ کی شکل اختیار کر لے گا۔ چناں چہ ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایک ہی عمل کرنا ہوگا۔۔۔ قتل، قتل اور مزید قتل۔''

سوفر نے جس انداز میں یہ سب کہا، وہ دہشت سے بھرا ہوا تھا۔ یہ اسرائیل کا منصوبہ تھا جس کا علم ہر فلسطینی کو تھا۔ چناں چہ ہر کسی نے حماس پر اعتماد کیا اور 2006ء کے انتخابات میں اسے جتوا کر غزہ کا کنٹرول اس کے حوالے کر دیا۔

اسرائیل کی پشت پناہی امریکہ کر رہا تھا۔ یورپ اور عرب ریاستیں اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔ انہوں نے غزہ کی ناکہ بندی سخت کرنے میں اسرائیل سے بھرپور تعاون کیا۔

اسرائیل نے غزہ پر موت اور تباہی 2003ء کے بعد سے مسلط نہیں کیے۔ 9-2008ء، 2012ء، 2014ء، 2018ء، 2021ء، پھر اگست 2022ء اور مئی 2023ء۔

رفاہ میں اسرائیلی فوج نے حملوں سے 2003ء اور 2004ء میں بہت بڑے پیمانے پر فلسطینی گھروں کو ملبے کا ڈھیر بنایا اور ہزاروں لوگوں کو بے دخل اور بے گھر کر دیا۔

فلسطینی آبادی ہمیشہ اسرائیل کا ٹارگٹ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں کا ہر دفعہ قتل عام بہت زیادہ رہا۔

تبدیلی۔ اضافہ: اس پس منظر میں یہ سمجھنا مشکل نہیں ہونا چاہیے کہ غزہ میں ہزاروں لوگ

اسی ماحول میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور پھر مار دیے گئے۔ اس میں بڑی تعداد نوجوانوں کی تھی۔ انہیں دنیا سے الگ کر دیا گیا اور وہ القسام بریگیڈ کا حصہ بنتے گئے۔ یہ حماس کی فوجی شاخ تھی۔ ایسے نوجوان دوسری مزاحمتی تنظیموں کا بھی حصہ بن گئے۔

مزاحمت کاروں نے اپنی عمریں القسام کے ساتھ گزار دیں۔ وہ اسے ''مون آف دی فلڈ'' قرار دیتے۔ اسی عنوان سے فلم بھی بنی۔ وہ ان کی یاد مناتے جو اس جنگ میں جان کی بازی لگا چکے تھے۔

اگر ہم کیمرلنگ اور جنرل ایلانڈ کی وضاحتوں کو دیکھیں، پھر 7 اکتوبر 2023ء کو دیکھیں، ان میں سے بہت سے نوجوانوں نے اس کنسٹریشن کیمپ کو توڑنے کے لیے الگ سے مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔ اسرائیل کی تباہ کن نسل پرستی ماضی سے الگ نہیں ہے۔ وہ غزہ میں ایسا پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ اس بار شدت بہت زیادہ ہے۔

اکتوبر 2025ء سے نام نہاد جنگ بندی سے اب تک اسرائیل کم سے بھی کم 1500 فلسطینیوں کو شہید کر چکا ہے۔ اس نے اپنے ڈریکولائی محاصرے اور ناکہ بندی کو بھی جاری رکھا ہوا ہے۔ اس نے ضروریات زندگی روک رکھی ہیں۔ فلسطینی پانی کی بوند بوند کو ترس رہے ہیں۔ وہ خوراک اور ادویات کی بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ وہ پناہ گاہوں کی تلاش میں ہیں۔ اسرائیل نے تین سال کی نسل کشی کے بعد بھی بچ رہنے والوں کے لیے زندگی عذاب سے بدتر بنا رکھی ہے۔

مزاحمت کے تازہ جواز: اسرائیلی اپنے خفیہ عزائم پر رازداری سے بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''ابھی جاب ختم نہیں ہوئی، ہم نے ان کو ہجرت پر مجبور کرنا ہے۔'' یہ بات اسرائیل کے وزیر دفاع اسرائیل کاتز نے 16 ستمبر کو کہی ہے۔

اگر تشدد اور محرومیاں 7 اکتوبر 2023ء سے شروع ہیں اور ان کی وجہ سے مزاحمت کے حالات پیدا ہوئے ہیں تو پھر بہت کم جواز رہ جاتا ہے کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ فلسطینی مزاحمت کو محدود کیا جا سکتا ہے۔ کیا ایک اور نسل کو تباہ کر کے مطلوبہ نتائج کا حصول ممکن ہوگا؟

7 اکتوبر کی اہمیت یہ نہیں ہے کہ اگلی جنگ کس قدر شدید ہوگی بل کہ یہ ثابت ہوگا کہ اس طرح کی احمقانہ جنگیں فلسطینیوں کو شکست دے سکیں گی، ان کا حوصلہ توڑ سکیں گی، ان کی عسکری صلاحیت کو ختم کر سکیں گی۔

ہاں! بار بار کی جنگ دکھوں کو بھلانے نہ دیں گی۔ یہ اور بھی گہرے ہوتے جائیں گے۔ آگے چل کر جو کچھ ہوگا، یہ ضروری نہیں ہے کہ 7 اکتوبر جیسا ہی ہو۔ لیکن کسی شک و شبہے کے بغیر اسرائیل ایسی نئی نسلیں ضرور تیار کر رہا ہے جس کے پاس بہت مضبوط وجوہات ہوں اور وہ نئی مزاحمت کے لیے پھر سے متحرک ہو جائیں۔

اس نسل کشی کے دوران بھی فلسطینی اس بات کا ذکر کرتے پائے گئے ہیں کہ وہ ضرور انتظام لیں گے۔ یہ ابھی دسمبر 2023ء کا ہی واقعہ ہے کہ حملے میں والدین کے مارے جانے کے بعد ان کا لڑکا ملبے زندہ بچ نکلا تو اس کا چہرہ خون آلود تھا اور مٹی سے بھرا ہوا تھا، اس نے ایک صحافی سے کہا کہ ایک دن آئے گا جب وہ ایسی فلم بندی کر رہے ہوں گے جس میں وہ اسرائیلی فوجیوں کی گردنوں کو اپنے قدموں سے روند ڈالے گا۔

ایک اور جوان نے ایسی ہی بات کہی۔ اس کے بھائی کو اسرائیل نے جنوری 2025ء میں شہید کر دیا تھا۔

مئی 2026ء میں اپنے خاندان کے ایک فرد کی میت پر ماتم کرتی عورت نے کہا کہ ''ہم ایک اور اکتوبر 2023ء کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اسرائیل صرف یہی زبان سمجھتا ہے۔''

یہ چند مثالیں ہیں جو ویڈیو پر آ گئی ہیں۔ یہ پورے فلسطینی معاشرے کی پوری عکاسی نہیں کر رہیں لیکن یہ ضرور بتا رہی ہیں کہ جس رنج والم سے یہ معاشرہ گزر رہا ہے، جس خونی منظر سے وہ سامنے آیا ہے۔ ان کا جذبۂ انتقام جوان ہو گیا ہے۔

یہ اس حقیقت سے الگ بات ہے جو بین الاقوامی قانون دیگر مقبوضہ علاقوں کے افراد کی طرح فلسطینی یہ حق رکھتے ہیں کہ ان کا پہلا حق ہے کہ اپنے علاقے چھین لیں۔

اگر کوئی اور راستہ ہے جس سے آزادی حاصل کی جا سکے اور یہ سب نہ ہو تو مجھے پورا یقین ہے کہ فلسطینی وہ راستہ ضرور اختیار کرنا چاہیں گے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ فلسطینی سارے راستے آزما چکے ہیں۔ انہوں نے مذاکرات کیے، بین الاقوامی قانون کے ساتھ چلے اور غزہ میں Great March of Return بھی کر کے دیکھ لیا۔ انہوں نے 2018ء میں پرامن جدوجہد بھی کر کے دیکھ لی۔

اسرائیل نے ہمیشہ کی طرح ایک دہشت گرد کی طرح ساری کوششوں کا جواب دیا۔ سنائپرز مقرر کیے جو بچوں کا نشانہ لے رہے ہیں۔ اس طرح اس نے 200 سے زیادہ فلسطینی مزید شہید کر دیے۔ ہزاروں کو زخمی کر دیا۔

القسام بریگیڈ نے اگست 2024ء میں اقرار کیا تھا۔۔۔ جب نسل کشی عروج پر تھی۔۔۔ کہ اس نے ایسے ہزاروں نئے نوجوانوں کو اپنی صفوں میں خوش آمدید کہا ہے جو مزاحمت کا حصہ بننا چاہتے ہیں۔

ان نئے مزاحمت کاروں میں سے ایک رضوان قلاجہ ہیں جو 2002ء میں پیدا ہوئے۔ وہ اسرائیلی صفوں میں ان کے عقب تک چلے گئے۔ انہوں نے دیگر مزاحمت کاروں سے مل کر اپنے حملوں سے بہت بڑی تعداد میں اسرائیلی فوجیوں کو ہلاک و زخمی کیا۔

اور حال ہی میں القسام نے صہیب ابولبابد کی ویڈیو جاری کی ہے۔ انہوں نے اسرائیلی ٹینکوں کو نشانہ بنایا۔ اسرائیل نے ابولبابد کی والدہ شہید کر دیں اور ان کے چار اور اہل خانہ کو نومبر 2023ء میں شہید کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے القسام کو جوائن کیا اور ستمبر 2025ء میں شہید کر دیے گئے۔

آزادی کی طرف: یہ چند مثالیں بتا رہی ہیں کہ مزاحمت پیدا ہو رہی ہے۔ اسرائیل اسے توڑ نہیں سکا جس طرح قابض کا ظلم بڑھتا جا رہا ہے اور اسرائیل کے خیال میں ''خاموشی'' چھا گئی ہے اور وہ موجودہ نسل پرستی کے مقاصد حاصل کر رہا ہے، یہ سب عارضی ہے اور دھوکہ ہے۔

اسرائیل اپنی فوج کو ایک نئے تصادم کے لیے تیار کر سکتا ہے۔ اس سے غزہ کے گرد بفر زون بھی بنا لیا ہے، وہ اپنی سرحدوں کو قلعوں کی شکل دے رہا ہے۔ لیکن وہ ناانصافی کو بم سے اڑا نہیں سکتا۔ اسی سے فلسطینیوں کو نسل در نسل مزاحمت کی قوت مل رہی ہے۔

میری مراد صرف مسلح مزاحمت ہی نہیں ہے، کیوں کہ مزاحمت کئی شکلیں اختیار کرتی ہے۔ میرے مزاحمت یہ ہے کہ میں اپنے لوگوں کا حوصلہ یوں بڑھاؤں کہ ان کو ان کی اپنی کہانیاں سناؤں اور غزہ کے لوگوں کی بہادری کے واقعات یاد دلاؤں جن سے وہ خود گزر رہے ہیں۔

اس نوعیت کی مزحمت مجھے موقع دیتی ہے خواہ میں خود غزہ سے دور رہوں لیکن میں اپنے لوگوں کے قریب ہوں۔ یہ لوگ اب بھی نسل کشی کا سامنا کر رہے ہیں۔

یہ میرے علاج کے دورانیے کا بھی حصہ ہے اور یہ مجھے آزادی دے رہا ہے۔ میں اب فکر سے آزاد ہوں۔ اور مزاحمت اپنی ہر شکل میں آزادی کی سمت ہی ایک نیا قدم ہے۔

[بشکریہ: الیکٹرانک انتفادہ]

مبصر کے قلم سے: ربی میسون



بورڈ آف پیس کا پہلا پراجیکٹ ختم شد

غزہ میں جاری انسانی نسل کشی کے خاتمے کے لیے عالمی سطح پر قائم کردہ ''بورڈ آف پیس'' (Board of Peace) اور 20 نکاتی ٹرمپ امن پلان ایک اہم موڑ پر آ کر ٹھہر گیا ہے۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے جنگ بندی اور امن کے دعوؤں کے باوجود، اسرائیل نے غزہ میں بین الاقوامی استحکام فورس (International Stabilization Force) کے 150 فوجیوں کے لیے ابتدائی مرکز کی تعمیر اور زمین کی فراہمی کی درخواست مسترد کر دی ہے۔ حماس کی جانب سے معاہدے کے تحت انتظامی امور کی تسلیم کے باوجود اسرائیل نہ صرف غزہ کے 70 فیصد سے زائد علاقے پر اپنا بفر زون پھیلا رہا ہے بل کہ عالمی فورس اور امدادی سرگرمیوں کو مفلوج کر کے ''بورڈ آف پیس'' کے عمل کو سبوتاژ کر رہا ہے۔ عالمی سلامتی کونسل کی قرارداد 2803 اور سعودی عرب جیسے علاقائی ڈونرز کے تحفظات کی موجودگی میں یہ صورت حال اس سوال کو جنم دیتی ہے کہ کیا یہ امن منصوبہ واقعی کارگر ثابت ہو سکے گا یا اسرائیل کی یکطرفہ پالیسیوں کی نذر ہو جائے گا۔

اسرائیل نے غزہ میں مجوزہ بین الاقوامی استحکام فورس کے 150 فوجیوں کے لیے ابتدائی مرکز کے قیام اور تعمیر کی بورڈ آف پیس کے نکات کے تحت کی اجازت دینے سے ٹرمپ کی درخواست مسترد کر دی ہے۔

اگست کے آغاز میں اقوام متحدہ اور امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے پہلے تعمیراتی پراجیکٹ کے ابتدائی کنٹریکٹ برائے تعمیر کا اسرائیل کو پیغام دیا گیا تھا۔ یہ پراجیکٹ ایک بین الاقوامی آرگنائزیشن نے بورڈ آف پیس کے لیے تعمیر کرنا تھا۔ اس پراجیکٹ کے لیے لوزیانہ آرکل انٹرنیشنل نے ایک ایسی فوجی آؤٹ پوسٹ غزہ میں تعمیر کرنے کے لیے اسرائیل سے کہا تھا۔ خیال کیا جاتا تھا کہ یہاں بین الاقوامی استحکام فورس کے 150 فوجیوں کے قیام کا انتظام کیا جانا تھا۔ یہ ایک کثیر القوامی فوج کے لیے سارا کچھ کیا جانا تھا۔ یاد رہے کہ بورڈ آف پیس کے صدر کے طور پر ٹرمپ نے اپنا نام خود دیا تھا۔ بورڈ آف پیس کے دفاتر بھی غزہ کے بجائے مصر میں ایک قاہرہ بنکر میں بنائے گئے ہیں۔ اسرائیل نے ان دفاتر کو غزہ میں کام کرنے کی اجازت دینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

اگست کے مہینے کو گزرے بھی دو ماہ ہو چکے ہیں۔ لندن گارڈین کی ایک رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ بورڈ آف پیس کے ایک ترجمان نے صورت حال پر تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اسی طرح سے اسرائیل کی فوج کے ترجمان اور حکومت نے بھی کسی نوعیت کے کمنٹ دینے پر معذرت کر لی ہے۔

صدر ٹرمپ نے اقتدار میں واپسی پر کہا تھا کہ وہ جنگیں رکوانے آئے ہیں۔ غزہ میں جنگ بندی ان کی بند کرائی گئی آٹھویں جنگ ہے۔ انہوں نے اس 20 نکاتی امن پلان پر اسرائیل اور حماس کو راضی کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ حماس نے اس پلان پر عمل درآمد شروع کر دیا تھا۔

حماس نے غزہ کا سرکاری انتظام بھی بورڈ آف پیس کی قائم کردہ کمیٹی کو منتقل کر دیا تھا جو اب تک یہ ذمہ داری ادا کر سکی اور نہ ہی اس کے لیے امن و امان کی خاطر پولیس فورس ہی قائم کر سکی۔ تاہم امریکہ سمیت اسرائیل کے حواریوں نے حماس کے غیر مسلح ہونے کا پروپیگنڈہ بھی شروع کر دیا تھا۔ اس نوعیت کا کوئی وعدہ حماس نے ٹرمپ پلان پر عمل درآمد کے پہلے مرحلے کے مکمل ہونے کے بعد ضرور کیا تھا۔ اس کی لازمی شرط یہ تھی کہ اسرائیلی فوج غزہ سے نکل جائے گی۔ اس کے بارے میں اسرائیل کے وزیر اعظم بنیامین نیتن



یا ہونے اعتراف کیا کہ اس کی فوج غزہ کے 70 فیصد علاقے پر قبضہ کر چکی ہے اور جلد ہی یہ قبضہ 100 فیصد ہو جائے گا۔

ٹرمپ امن پلان کے برخلاف اسرائیل نے نسل کشی کے حملے غزہ پر جاری رکھے۔ بہت اتحادی مغربی ممالک اسرائیل سے ناراض بھی ہوئے لیکن یہ نسل کشی جاری رہی۔ اسرائیل نے ییلو لائن کو غزہ کے اندر پہلے 60 فیصد اور اب 70 فیصد تک اندر کی جانب بڑھا دیا ہے۔ وہ بفر زون کے عنوان سے غزہ کے اندر گھستا چلا جا رہا ہے۔ اب اس نے عالمی استحکام فورس کا مرکز بنانے کی اجازت دینے سے بھی اسی تناظر میں انکار کر دیا ہے۔

آر کل آرگنائزیشن کے منصوبے کے مطابق عالمی فورس کے لیے مجوزہ ''مشن لائٹ'' کو ایک قلعہ نما مرکز ہونا ہے جس میں 100 میٹر مربع کا علاقہ غزہ میں درکار ہے اور اسرائیل نے یہ علاقہ دینے اور کسی عالمی فورس کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا ہے۔

اسرائیل کو علم ہے کہ یہ مستقل عالمی فورس ایک جدید اسلحہ سے مسلح فوج ہوگی۔ جو غزہ کا انتظام بنھالنے میں پولیس فورس کے قیام اور آپریشنز میں مدد کرے گی۔

اس مرکز کے قیام کے بغیر بورڈ آف پیس کسی قسم کا کام کرنے سے بالکل قاصر ہوگا۔ اس منصوبے پر کام کرنے والی تنظیم آر کل کے ترجمان کا کہنا ہے کہ ''بین الاقوامی استحکام فورس کے بغیر کام کرنا ممکن نہیں ہو سکے گا۔ اس کی تعمیر کے لیے ضروری عمارتی مشینری اور دوسرا سامان لانے کی اجازت بھی نہیں دی جا رہی۔ کسی قسم کی سیکیورٹی کی ضمانت بھی نہیں دی گئی۔ یہ بورڈ آف پیس کی ٹانگیں کاٹ دینے کے مترادف معاملہ ہے۔''

ایک واقف حال کا کہنا ہے کہ اسرائیل کے حالیہ انتخابات کے بعد اس منصوبے کی اجازت دے دی جائے گی۔

بورڈ آف پیس کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ ہیں۔ اس کے ارکان میں ٹرمپ کے سالے جیرڈ کشنر اور سٹیو وٹکاف بھی شامل ہیں۔

بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ ٹرمپ منصوبہ کے اگلے مرحلے پر عمل درآمد میں سعودی عرب مدد کر سکتا ہے۔ اسرائیل کے ایک اہم اخبار یروشلم پوسٹ میں ٹومر ریے فر کا تجزیہ 16 اکتوبر کو شائع ہوا ہے۔ اس میں لکھا گیا ہے کہ ستمبر 2025ء میں امریکی صدر نے غزہ کے 20 نکاتی امن پلان کا اعلان کیا تھا۔ اس پر عمل درآمد کے ابتدائی فریم ورک کا بھی مصر کے شہر شرم الشیخ مذاکرات کے بعد اعلان کیا تھا۔ اس عمل میں اسرائیل نے شرکت نہیں کی تھی جب کہ حماس نے عمل درآمد کے مرحلے پر مذاکرات میں شرکت کی تھی۔ 17 نومبر 2025ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے اس کی منظوری دی تھی۔ اس مقصد کے لیے قرارداد 2803 بھی منظور کی گئی تھی۔ عالمی ادارے نے بورڈ آف پیس کے قیام کی بھی منظوری دے دی تھی۔

جنگ بندی کے ایک سال بعد بھی اس پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ اسرائیل نے بین الاقوامی استحکام فورس کو کام کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے دوسرے مرحلے پر عمل کرنے میں رکاوٹیں پیدا کی تھیں اور کر رہا ہے۔ اس نے غزہ میں نسل کشی بند نہیں کی، خوراک اور ادویات کے امدادی ٹرک غزہ میں داخل ہونے نہیں دیے اور غزہ کے عوام پر بھوک و پیاس کی جنگ مسلط کرنے کے علاوہ ادویات بھی جانے نہ دیں۔

اس دوران میں اسرائیل اور امریکہ کا اصرار رہا کہ حماس معاہدے پر عمل درآمد میں مزاحم ہے۔ حماس نے غزہ کا انتظام بورڈ آف پیس کی انتظامی کمیٹی کے حوالے کر دیا۔ 19 فروری 2026ء کو فاؤنڈنگ ڈونرز میں سعودی عرب ایک ڈونر کے طور پر شامل ہوا۔ سعودی عرب نے وعدہ کیا کہ وہ مالی امداد کے طور پر ڈونر کے طور پر ایک ارب ڈالر دے گا۔ تاہم اس نے ابھی تک یہ رقم ادا نہیں کی۔

اس تعطل کو سارے تعمیراتی منصوبے کے رک جانے کی یک طرفہ وجہ قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے علاقائی سلامتی کے لیے منصوبہ لٹک گیا ہے۔ سعودی عرب کا اصرار ہے کہ وہ حماس کے غیر مسلح ہونے تک مالی معاونت فراہم نہیں کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل اس سارے امن پلان کو سبوتاژ بھی کر رہا ہے اور سینکڑوں فلسطینی شہید بھی کر چکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ غزہ میں پائیدار امن کے تمام تر عالمی دعوے اور دستاویزات فی الوقت اسرائیل کی ہٹ دھرمی کے باعث شدید تعطل کا شکار ہیں۔ حماس کی جانب سے انتظام منتقل کرنے اور معاہدے کے پہلے مرحلے پر عمل کے بعد بھی، اسرائیل کا بفر زون بڑھانا، عالمی استحکام فورس کی آمد کو روکنا اور انسانی امداد پر پابندیاں عائد رکھنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس منصوبے کو عملی شکل دینے میں مخلص نہیں۔ اگرچہ سعودی عرب کی جانب سے مالی معاونت کی مشروط فراہمی اور حماس کے غیر مسلح ہونے سے متعلق معاملات کا نام لے کر منصوبے کی تاخیر کا ملبہ دوسروں پر ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے، لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل کی نسل کش پالیسیاں اور پیش قدمی اس امن منصوبے کی بنیادیں ہلا چکی ہیں۔ جب تک عالمی برادری اور امریکہ، اسرائیل کو بین الاقوامی فورس کے قیام اور سلامتی کونسل کی قراردادوں پر عمل کا پابند نہیں بناتے، تب تک ٹرمپ امن منصوبہ صرف کاغذوں تک محدود رہے گا اور غزہ کے عوام بھوک، جنگ اور غصب کاری کا شکار رہیں گے۔

تحقیق: مجمع حرکات



حماس نے 7 اکتوبر کے منصوبوں کو کس طرح نظروں کے سامنے چھپایا؟

7 اکتوبر 2023 کو حماس کی قیادت میں ہونے والے فوجی آپریشن ''طوفان الاقصیٰ'' کے بعد، اکثر پس مرگ (ex post facto) بحثوں کا مرکز و محور اسرائیل کے سیکیورٹی و انٹیلی جنس اداروں کی ظاہری ناکامی رہی ہے۔

ان میں سے کئی بحثوں میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ ماضی کے تناظر میں ایسے اشارے موجود تھے جن سے اسرائیلی سیکیورٹی اور انٹیلی جنس اداروں کو اس آپریشن کی توقع ہونی چاہیے تھی۔

اس طرح کے تبصروں نے کچھ مبصرین کو اس قیاس آرائی پر مجبور کیا کہ اسرائیل نے قصداً اس آپریشن کو ہونے دیا تاکہ وہ ایک نسل کش ردعمل کا جواز پیش کر سکے۔

تاہم یہ فیصلے 7 اکتوبر 2023 سے پہلے کے حالات سے جڑے کئی اہم پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں اسرائیل کا وہ نوآبادیاتی تکبر ہے جس نے اسے اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا کہ اس نے غزہ کے اندر حماس کو مؤثر طریقے سے محصور اور بے اثر کر دیا ہے۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ ایسے تجزیے فلسطینی مزاحمت کی سالہا سال سے جاری ''حکمتِ عملی چھپاؤ'' (strategic camouflage) کی چال کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں حماس نے اپنی فوجی تیاریوں کو چھپانے کے لیے ممکنہ طور پر خود کو محصور اور غیر فعال ظاہر کرنے کا ڈرامہ رچایا۔ اس حکمتِ عملی کا دوسرا اہم عنصر اپنے فوجی تربیتی مشقوں کو سب کے سامنے کھلے عام غزہ کی پٹی میں انجام دینا تھا۔

عینی شاہدین کے بیانات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ''طوفان الاقصیٰ'' سے قبل کے سالوں میں 2017 سے غزہ میں حماس کے سربراہ یحییٰ سنوار جو 2024 میں اسرائیل کے ساتھ جنگ میں شہید ہوئے، نے خفیہ طور پر اس چھپاؤ کی حکمتِ عملی کو آگے بڑھایا۔

سنوار کا راز رکھنے کا انداز خود مزاحمتی تحریک کے اندر کی صفوں تک پھیل چکا تھا۔ ایسے اشارے موجود ہیں کہ غزہ سے باہر مقیم حماس کے سیاسی بیورو کو اس آپریشن کے وقت جگہ یا پیمانے کی کوئی پیشگی معلومات نہیں تھیں۔

سینئر سیاسی رہنما موسیٰ ابو مرزوق کا کہنا ہے کہ انہیں اس منصوبے کی کوئی پہلے سے خبر نہیں تھی، انہوں نے اکتوبر 2023 میں 'دی نیو یارکر' کو بتایا کہ ''حماس کے تمام غیر فوجی رہنماؤں کو ہفتے کی صبح ہی یہ خبر ملی''، یعنی 7 اکتوبر 2023 کی صبح ہی۔

'امیت دہشت گردی و انٹیلی جنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ'، جس کے اسرائیلی فوج اور دفاعی ادارے کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں، نے ایسے خطوط پیش کرنے کا دعویٰ کیا ہے جن کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ یہ 7 اکتوبر کے آپریشن کے لیے ایرانی امداد اور ہم آہنگی کا ثبوت ہیں۔

حالیہ برسوں میں اسلامی جمہوریہ ایران دنیا کی واحد ریاست ہے جس نے فلسطین میں

حماس سمیت مسلح مزاحمت کی علانیہ مالی معاونت کی ہے۔ تاہم یہ دستاویزات بھی اس نتیجے سے متصادم ہیں کہ ایرانی رہنماؤں کے پاس اس آپریشن یا اس کے وقت کی کوئی مخصوص پیشگی معلومات تھیں۔

24 ستمبر 2022 کا ایک خط جو بظاہر حماس کے سیاسی بیورو کے اس وقت کے چیئرمین اسماعیل ہنیہ کی طرف سے یحییٰ السنوار کے نام لکھا گیا تھا، میں ہنیہ کو اعتراف کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ ایران کے ساتھ قریبی تعلقات کے باوجود حماس حال ہی میں فلسطینی مزاحمت کو فنڈز فراہم کرنے میں ناکام رہی تھی۔

ان خطوط کی صداقت کو فرض کرتے ہوئے جو کہ جعلی بھی ہو سکتے ہیں اور ان کی آزادانہ تصدیق نہیں ہوئی، یہ مزاحمتی یونٹوں کی سابقہ ایرانی تربیت اور فنڈنگ کے ساتھ ساتھ کسی بھی ممکنہ مستقبل کے تصادم کے بارے میں کچھ حد تک ہم آہنگی کی تصدیق کرتے ہیں۔

لیکن ان مراسلات میں جن کا اس مصنف نے تفصیل سے جائزہ لیا ہے، ایسا کچھ نہیں ہے جو یہ ظاہر کرے کہ ہنیہ یا غزہ سے باہر مقیم سیاسی بیورو کے دیگر ارکان کو سنوار اور مزاحمتی تحریک کے آنے والے فوجی منصوبوں کا پتہ تھا۔

یحییٰ سنوار کی خود کو محصور اور غیر فعال ظاہر کرنے کی حکمتِ عملی میں فوجی، سیاسی اور سماجی و اقتصادی پہلو شامل تھے۔

فروری 2025 میں حماس کے دو عہدیداروں محمود مرداوی اور حیسر البرغوثی نے الجزیرہ کے سینئر صحافی اور ٹی وی پریزینٹر احمد منصور کو ایک انٹرویو دیا۔ اس انٹرویو میں حماس کی مسلح ونگ ''القسام بریگیڈ'' کی اس حکمتِ عملی پر اہم روشنی ڈالی گئی۔

البرغوثی بتاتے ہیں کہ کس طرح سنوار ''تجارت کو فروغ دینے کے لیے مصریوں کے پاس گئے'' اور قطریوں سے ''غزہ میں معیشت کو وسعت دینے'' کے بارے میں بات کی۔ جیسا کہ سیاسی سائنسدان لیلیٰ سورات اپنی کتاب ''دی فارن پالیسی آف حماس'' میں لکھتی ہیں کہ حماس نے نومبر 2019 میں جب اسرائیل اور فلسطینی اسلامی جہاد کے درمیان جھڑپیں ہوئیں تو ''مفاہمت کی منطق'' کو اپنایا۔ انہوں نے لکھا: ''تصادم سے دور رہ کر حماس نے کرم ابو سالم تجارتی راستے کو کھلوانا، ایندھن کے ٹرکوں کی فراہمی اور ماہی گیروں کے لیے سمندری حدود میں توسیع حاصل کی۔''

حقیقت میں اسی طرح کے اقدامات نے محقق طارق باقونی کو اپنی 2018 کی تحقیق ''حماس کنٹینڈ: دی رائز اینڈ پیسیفیکیشن آف فلسطینین ریزسٹنس'' کے نتیجے میں یہ اعلان کرنے پر مجبور کیا کہ ''حماس غزہ میں اپنی مرضی کے خلاف محصور ہو سکتی ہے اور اس کی مسلح جدوجہد بعض اوقات غیر فعال رہ سکتی ہے۔''

محصور ہونے کا ڈرامہ

لیکن اپنے حالیہ انٹرویو میں حیسر البرغوثی نے اشارہ دیا کہ محصور ہونے کا یہ تاثر شروع سے ہی ایک چال تھی، انہوں نے کہا کہ ''یہ تمام امور دراصل پردہ پوشی کا حصہ تھے۔''

اس کے ساتھ ہی سنوار نے اعلانیہ طور پر القسام بریگیڈ کے سرفروش ''نخبہ کمانڈو یونٹ'' کو تحلیل کر دیا اور مزاحمت کو بریگیڈ میں دوبارہ منظم کیا جس سے یہ تاثر قائم ہوا کہ حماس کی مزاحمتی سرگرمیاں واقعی اسرائیل کی طرف سے محدود کر دی گئی ہیں۔

لیکن نخبہ فورس 7 اکتوبر 2023 کو ایک زوردار دھماکے کے ساتھ دوبارہ سامنے آئی اور مقبوضہ فلسطین کے جنوب مغرب میں ''غزہ کے گرد و نواح'' (Gaza envelope) کے علاقے میں واقع اسرائیلی ملٹری بیسز اور بستیوں پر حملے کی قیادت کی۔

القسام بریگیڈ نے 2019 میں اسرائیل کی جانب سے اسلامی جہاد کے کمانڈر بہاء ابو العطاء، ان کی اہلیہ اور چار بچوں کی شہادت کے ردعمل میں کی جانے والی کارروائی (''بلیک بیلٹ'' حملہ) کے جواب میں شرکت نہیں کی تھی۔ اور اگرچہ القسام بریگیڈ نے لاجسٹک سپورٹ فراہم کی، لیکن اس نے اگست 2022 اور مئی 2023 میں اسلامی جہاد کی ''القدس بریگیڈ'' اور اسرائیل کے درمیان ہونے والے تصادم میں بھی حصہ نہیں لیا۔

عظام شعث جیسے سیاسی تجزیہ کاروں نے اسے حماس کی ''مزاحمت'' سے ''غیر جانبدارانہ رویے'' کی طرف منتقلی سے تعبیر کیا۔ عرب میڈیا میں ایسے مضامین بھی شائع ہوئے جن میں دھڑوں کے درمیان اندرونی کشیدگی کا اشارہ دیا گیا۔

امریکی ملٹری اکیڈمی ویسٹ پوائنٹ کے ''کامبیٹنگ ٹیررازم سینٹر'' نے اس وقت یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حماس کو مؤثر طریقے سے روک دیا گیا ہے، ''خاص طور پر اس لیے کہ وہ اسرائیل اور فلسطینی اسلامی جہاد کے درمیان جنگ کے کئی راؤنڈز سے الگ تھلگ رہی، جس میں مئی 2023 کا حالیہ تصادم بھی شامل ہے۔''

اسرائیلی بریگیڈیئر جنرل اور وزیراعظم کے دفتر کے کاؤنٹر ٹیررازم بیورو کے سابق ڈائریکٹر نیتزان نوریل نے تبصرہ کیا کہ ''ہم نے عبرت کی ایک نئی سطح قائم کی ہے۔'' انہوں نے مزید کہا کہ ''حماس بہت پریشان ہے اور ہمارے خلاف فائرنگ سے بچنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے روک رہی ہے۔''

اسرائیلی ویب سائٹ Ynet نے رپورٹ کیا کہ اسرائیلی فوج شن بیت اور COGAT (اسرائیلی فوجی قبضے کا بیوروکریٹک شعبہ) سب کا ایک ہی متفقہ مؤقف تھا کہ حماس خوفزدہ ہے، جنگ میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ''طوفان الاقصیٰ'' سے کچھ ہی دیر قبل اسرائیلی فوج شن بیت اور COGAT کے درمیان ہونے والی صورتحال کے جائزے میں تینوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ''سنوار کو کسی وسیع تصادم میں کوئی دلچسپی نہیں۔''

اسرائیلی اسٹیٹ کامپٹرولر کی 2025 کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملٹری انٹیلی جنس ریسرچ کے سربراہ نے مئی 2023 کی کابینہ کی میٹنگ کے دوران دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے 2021 کی غزہ جنگ کے نتیجے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ القسام بریگیڈ فوجی تیاریوں میں مصروف نہیں تھی۔ وہ بس سب کی نظروں کے سامنے یہ سب چھپا کر کر رہے تھے۔

حماس کے رہنماؤں مرداوی اور البرغوثی کے 2025 کے انٹرویو میں ایک انتہائی دلچسپ انکشاف ہوا کہ السنوار نے مزاحمت کاروں کو تربیت دینے کی غرض سے ایک پیرا گلائیڈر شیل کمپنی (جعلی کمپنی) قائم کی تھی۔ موٹرائزڈ پیرا گلائیڈرز ''طوفان الاقصیٰ'' کے سب سے نوکدار اور منفرد پہلوؤں میں سے ایک تھے اور اس حملے کی علامت بن گئے۔

سرنگوں کی کھدائی اور پیرا گلائیڈر کی تربیت

مرداوی نے بتایا کہ قسام بریگیڈ نے ''ایک کمپنی قائم کی اور عام لوگوں کو اسے استعمال کرنے کی اجازت دی، لیکن بعد میں اس کی قیمتیں بڑھا دیں۔ انہوں نے قیمت اتنی زیادہ کر دی کہ کوئی عام شخص اس کا خرچ برداشت نہ کر سکے۔'' انہوں نے مزید کہا کہ ''یہ ظاہری طور پر عوامی استعمال کے لیے تھی لیکن حقیقت میں یہ بنیادی طور پر القسام اور اس کی تربیت کے لیے تھی۔''

حماس کے رہنما نے نشاندہی کی کہ پیرا گلائیڈر کی تربیت میں بالکل ان ہی مشنوں کی مشق کی جاتی تھی جو بعد میں 7 اکتوبر 2023 کو انجام دیے گئے۔ انہوں نے کہا کہ دیگر دھڑوں

نے بھی ان مشقوں کی درخواست کی تھی۔ القسام بریگیڈ کی قیادت نے انہیں اجازت تو دی لیکن اس کے پیچھے چھپے ہوئے اصل منصوبوں سے آگاہ نہیں کیا۔ مرداوی نے صراحت کے ساتھ سنوار کے اس طریقہ کار کو دشمن کے خلاف ایک حکمتِ عملی چھپاؤ قرار دیا۔

جب الجزیرہ کے ساتھ انٹرویو مئی 2021 میں اسرائیل اور غزہ کے دھڑوں کے درمیان 11 دن کی جنگ کی طرف موڑا گیا تو مرداوی نے تفصیل بتائی کہ وہ سرنگوں کی کھدائی کے عروج کے دور میں غزہ میں موجود تھے اور 2018 تک جارحانہ، اسٹریٹجک اور سیکیورٹی سرنگیں تقریباً تیار ہو چکی تھیں اور 2019 تک صرف چند جزیات باقی رہ گئی تھیں۔

محقق مہند سلوم نے قطر میں مقیم حماس کے ایک سینئر رہنما کا حوالہ دیا (جن کا انٹرویو 2 ستمبر 2024 کو ہوا تھا)، جنہوں نے تبصرہ کیا: ''ہم نے ہتھیاروں کی تربیت سے زیادہ اسرائیلی تجزیہ کاروں کا مطالعہ کرنے میں سرمایہ کاری کی کیوں کہ اگر آپ تجزیے پر قابو پالیں تو میدانِ جنگ خود بخود کھل جاتا ہے۔''

24 مارچ 2017 کو قسام بریگیڈ کے کمانڈر مازن فقہا کے اسرائیلی ہاتھوں کیے گئے قتل کے بعد سنوار نے ایک سخت سیکیورٹی کارروائی کے دوران 45 مخبروں کو گرفتار کیا۔ مرداوی نے مازن فقہا کے قتل میں مخبروں کے استعمال کو اسرائیل کی ''اسٹریٹجک غلطی'' قرار دیا کیوں کہ اس کارروائی نے بعد میں اسرائیل کو 7 اکتوبر 2023 کے منصوبوں کے بارے میں انٹیلی جنس حاصل کرنے سے محروم کر دیا۔

فروری 2025 میں منصور کی طرف سے لیے گئے ایک اور انٹرویو میں البرغوثی کہتے ہیں کہ عبرانی پریس نے اندازہ لگایا تھا کہ 7 اکتوبر 2023 کی کامیابی کا ایک جزو سنوار کی وہ سیکیورٹی مہم بھی ہو سکتی ہے جو انہوں نے 2017 میں فقہا کی شہادت کے بعد مخبروں کو گرفتار کر کے چلائی تھی۔

خاموشی بھی ایک پیغام ہے

ایک اسرائیلی تجزیہ کار کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ستمبر 2023 میں غزہ کی سرحد پر ہونے والے فلسطینی احتجاج کو حماس نے 7 اکتوبر 2023 کو بارڈر کی باڑ توڑنے کی تیاریوں کو چھپانے کے لیے ایک ذریعہ کے طور پر استعمال کیا تھا۔

اس طرح کے مظاہرے 2018 کے ''گریٹ مارچ آف ریٹرن'' سے ملتے جلتے تھے جو ایک عوامی اور نچلی سطح کی تحریک تھی اور جس کی قیادت حماس نہیں کر رہی تھی۔

یہ مارچ مارچ 2018 سے ستمبر 2019 کے درمیان ہر جمعے کو غزہ اور اسرائیل کی سرحد پر ہونے والے مظاہروں کا ایک سلسلہ تھا۔ اس کا مقصد ان زمینوں پر فلسطینیوں کے واپسی کے حق کو اجاگر کرنا تھا جہاں سے ان کے آباؤ اجداد کو نکبہ (Nakba) کے دوران زبردستی نکال دیا گیا تھا تاکہ اسرائیل قائم کیا جا سکے۔ ان مظاہروں میں عدم تشدد کا مظاہرہ کیا گیا جب کہ دوسری طرف اسرائیل نے انتہائی شدید تشدد کا استعمال کیا۔

ستمبر 2023 میں غزہ کی باڑ پر مظاہروں کو ''ریبیلیئس یوتھ'' (باغی نوجوان) نامی ایک گروپ نے دوبارہ زندہ کیا۔ بہت سے لوگوں نے اسے ''گریٹ مارچ آف ریٹرن'' کے مظاہروں کا احیاء سمجھا۔ لیکن 2018 اور 2019 کے اسرائیلی تشدد کے بعد ان نوجوانوں نے زیادہ سخت حربے استعمال کیے۔ یہ مظاہرے کئی عوامل کا نتیجہ تھے جو تمام کے تمام بنیادی طور پر اسرائیلی قابض حکومت کے مسلط کردہ تھے۔

جولائی 2023 میں قطر نے غزہ کے لیے اپنا ماہانہ وظیفہ کم کر دیا تھا جس کے نتیجے میں غزہ میں حماس حکومت 50000 پبلک سیکٹر ورکرز کو تنخواہیں دینے سے قاصر ہو گئی تھی۔ اسی سال ستمبر میں اسرائیل نے یہودیوں کے ایک تہوار کے بعد ایریز کراسنگ (غزہ میں داخلے اور خروج کے دو راستوں میں سے ایک) کو بند کر دیا جس سے ہزاروں فلسطینی مزدور اسرائیل کے اندر اپنے کام کی جگہوں پر واپس جانے سے محروم ہو گئے۔ تیسرا بڑا واقعہ یروشلم میں پیش آیا جہاں ستمبر میں روز ہاشاناہ (یہودی نئے سال) کے دوران اسرائیلی آبادکاروں کی نام نہاد ''ٹیمپل ماؤنٹ موومنٹ'' نے مسجد اقصیٰ کے احاطے پر دھاوا بول دیا تھا۔

اس تناظر میں اسرائیلی انٹیلی جنس تجزیہ کار نتانیل فلیمر نے دعویٰ کیا ہے کہ: ''حماس نے بارڈر کے قریب مظاہروں کو ہوا دی، جس کی آڑ میں اس کے کارکن باڑ کے قریب پہنچنے اور مظاہروں کے بہانے اس کے ساتھ آلات اور ڈھانچے نصب کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح حماس 7 اکتوبر کے حملے کی تیاریوں کو آگے بڑھانے اور اسرائیلی فوج کی صلاحیتوں کے بارے میں اہم انٹیلی جنس جمع کرنے میں کامیاب رہی۔''

ستمبر 2023 کے آخری ہفتے کے دوران باغی نوجوانوں کے کارکنوں نے مشرقی غزہ کی حد بندی لائن کے ساتھ مظاہرے کیے، ٹائر جلا کر اور سرحد پار آتش گیر غبارے چھوڑے۔ تاہم اسرائیلیوں نے محاصرے کی شرائط کو نرم کرنے کا اپنا وعدہ پورا نہیں کیا، اور 1 اکتوبر 2023 کو ایسی ویڈیوز سامنے آئیں جن میں اسرائیلی قابض افواج کو فلسطینی مرابطین (مسجد اقصیٰ کے رضا کار محافظین) پر تشدد کرتے اور انہیں مسجد کے قریب جانے سے روکتے ہوئے دکھایا گیا۔

محقق مہند سلوم نے استنبول میں مقیم حماس کے المجد انٹرنل سیکیورٹی برانچ کے ایک سابق افسر کا حوالہ دیا، جنہوں نے بعد میں مظاہروں کے بعد کے خاموش ماحول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''خاموشی بھی ایک پیغام ہے، مجھے یقین ہے کہ ہمارے بھائی چاہتے تھے کہ دشمن یہ سمجھے کہ اس خاموشی سے ہماری نااہلی ثابت ہوتی ہے۔''

کیا نیتن یاہو نے اسے ہونے دیا؟

یہ تمام عوامل طوفان الاقصیٰ کی تیاریوں کو چھپانے کے لیے حماس کی جانب سے ڈبل بلف (دہرا دھوکہ) کے پیچیدہ طریقوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ قیاس آرائیاں اب بھی جاری ہیں کہ آیا اسرائیل یا بالخصوص بنیامین نیتن یاہو کو 7 اکتوبر 2023 کے منصوبوں کا پہلے سے علم تھا اور انہوں نے اسے ہونے دیا۔

حالیہ مہینوں میں حملوں کے بارے میں اسرائیلی پیشگی علم کا سوال بین الاقوامی میڈیا میں کافی شدت سے سامنے آیا ہے۔ دی اٹلانٹک (The Atlantic) میں شائع ہونے والے ایک حالیہ مضمون کے مطابق 26 ستمبر 2023 کو مصری انٹیلی جنس سروس سے منسلک ایک پرائیویٹ جیٹ بن گوریان ایئرپورٹ پر اترا جس میں مصر کے انٹیلی جنس چیف عباس کامل موجود تھے۔ انہوں نے اسرائیلی حکومت کو تجاویز دیں کہ وہ تصادم سے بچنے کے لیے حماس کو معاشی مراعات دے۔ مضمون میں مزید کہا گیا ہے کہ ایک سابق اسرائیلی اہلکار کے مطابق ان کا پیغام یہ تھا: اگر آپ نے اپنا راستہ نہ بدلا تو غزہ آپ کے منہ پر پھٹ جائے گا۔

تاہم مضمون اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ کامل نے اسرائیلی حکام کو کوئی تاریخ یا مخصوص معلومات فراہم نہیں کی تھیں لیکن اس کی عدم موجودگی کے باوجود مصنف پھر بھی قیاس آرائی کرتا ہے کہ کامل کے الفاظ 7 اکتوبر 2023 کے آپریشن کی پیش گوئی کر رہے تھے۔

اسرائیلی وزیر اعظم کو متحدہ عرب امارات کے رہنما، ابوظہبی کے حکمران محمد بن زاید النہیان نے بھی خبردار کیا تھا۔ نیتن یاہو کے دفتر نے اس وقت بن زاید سے بات کرنے سے انکار



کیا تھا۔لیکن ان دعوؤں کو اس مہینے کے آخر میں ہونے والے اسرائیلی عام انتخابات اور 7 اکتوبر 2023 کی انٹیلی جنس وفوجی ناکامیوں کے لیے آپس کی الزام تراشیوں کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔

نامہ نگار شلومی ایلدار اور روتھم یووال نے گزشتہ ماہ ہارتز (Haaretz) میں ایک مضمون شائع کیا جس میں ان کی آنے والی عبرانی کتاب ''ہوسٹیجز :843 ڈیز آف ابینڈنمنٹ'' کے ذرائع کا حوالہ دیا گیا۔

ان کے ذرائع کے مطابق بن زاید کے ایک ''قریبی مشیر'' نے طوفان الاقصیٰ سے چند ہفتے قبل ابوظہبی کے حکمران کو غزہ سے ایک متوقع فوجی آپریشن کے بارے میں الرٹ کیا تھا۔ مشیر نے یہ خبر حماس کے رہنما یحییٰ سنوار کی خصوصی درخواست پر پہنچائی تھی۔

اس مشیر کی شناخت ''ایک ایسے فلسطینی کے طور پر کی گئی ہے جو سالوں پہلے غزہ سے ابوظہبی منتقل ہو گیا تھا اور غزہ پٹی میں اپنے مضبوط تعلقات رکھتا تھا۔'' جو کہ ظاہر ہے جلاوطن فتح رہنما محمد دحلان کی طرف ایک واضح اشارہ ہے جو غزہ کے سابق جنگجو اور اسرائیل وسی آئی اے کے سینئر سہولت کار رہ چکے ہیں۔ دحلان کی افواج کو 2007 میں القسام بریگیڈ نے غزہ سے نکال باہر کیا تھا جب انہوں نے حماس کی منتخب حکومت کے خلاف بغاوت کی کوشش کی تھی۔

ہارتز میں شائع مضمون میں مزید یہ الزام لگایا گیا ہے کہ بن زاید نے 7 اکتوبر 2023 سے تقریباً ڈیڑھ ہفتہ قبل نیتن یاہو کو فون کر کے سنوار کے ذریعے طے شدہ ''اسرائیل کے خلاف ایک بڑے آپریشن'' کے بارے میں خبردار کیا تھا۔

اخبار کے مطابق سنوار نے طویل المدتی معاہدے اور غزہ کے مستقبل کے منصوبوں پر بات چیت کے لیے 2023 کے اوائل میں ہی اسرائیلی سیاست دانوں کے ساتھ ایک خفیہ مذاکراتی چینل کھولا تھا۔ غزہ میں حماس کے رہنما نے حماس کے عہدیدار غازی حمد (جو عبرانی روانی سے بولتے ہیں) کو شن بیت کے ایک اہلکار عدی روٹم کے ساتھ ایک ''سینئر فتح اہلکار'' کے ذریعے تقریباً براہ راست بات چیت کے لیے مقرر کیا تھا جس کا فرضی نام کول آئز (Coal Eyes) رکھا گیا تھا۔

رپورٹ کے مطابق مذاکرات میں غزہ پر سے نا Script کا خاتمہ، درآمدات میں توسیع، بارڈر ٹریڈ زونز، روزگار، شرم الشیخ ایئرپورٹ کے ذریعے مصری ''محفوظ راستہ''، قدرتی گیس کی فراہمی اور بالآخر قیدیوں کا تبادلہ شامل تھا۔

2023 کی گرمیوں تک کول آئز یہ رپورٹ کر رہا تھا کہ ایک معاہدہ ''پہلے سے کہیں زیادہ قریب'' ہے اور میٹنگز سے واپس آ کر یہ اعلان کر رہا تھا کہ ''یہ ہو رہا ہے۔''

لیکن نیتن یاہو کے لیت ولعل سے کام لینے کے بعد سنوار نے ستمبر کے اوائل میں ناگہانی طور پر مذاکرات ختم کر دیے اور بعد میں کول آئز کو ہدایت کی کہ وہ اسرائیلیوں کو ایک ''بڑے سرپرائز'' اور ''زلزلے'' سے خبردار کرے۔ انہوں نے ستمبر کے وسط میں اپنی تنبیہات کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ ''تمام سرپرائزز کی ماں، ایک خوفناک آپریشن، کچھ غیر معمولی،'' جسے انہوں نے اسرائیل تک ''لفظ بہ لفظ'' پہنچانے کا مطالبہ کیا۔

کول آئز اور محمد بن زاید کے فلسطینی مشیر (غالباً دحلان) نے اس تنبیہ کو جنگ کا اشارہ سمجھا۔ انہوں نے 15 ستمبر کو شن بیت تک یہ بات پہنچائی، جس پر شن بیت کے چیف رونن بار نے نیتن یاہو کو بریفنگ دی اور 17 ستمبر کو سیکیورٹی حکام کا اجلاس بلایا۔

ہارتز مزید دعویٰ کرتا ہے کہ بن زاید نے بعد میں نیتن یاہو کو براہ راست خبردار کیا، جب کہ مصری انٹیلی جنس چیف عباس کامل نے انہیں الگ سے ''کچھ غیر معمولی ایک خوفناک آپریشن'' کے بارے میں الرٹ کیا۔ نیتن یاہو نے کامل کو جواب دیا: ''غزہ میں ہم صورتحال سے باخبر ہیں اور کنٹرول میں ہیں۔''

یکم اکتوبر کو سیکیورٹی کے ایک اجلاس میں بار نے سنوار سمیت حماس کے سینئر رہنماؤں کو نشانہ بنانے کے لیے تیاریوں کی وکالت کی، لیکن نیتن یاہو نے حکام کو ہدایت کی کہ ''صلاحیتوں پر کام جاری رکھیں، لیکن فی الحال صورتحال کو پرامن رہنے دیں۔''

ڈبل بلف (دہرا دھوکہ)

تاہم اوپر پیش کی گئی ''چھپاؤ کی حکمتِ عملی'' کی روشنی میں کول آئز چینل کی اس رپورٹ کی تعبیر سنوار کی طرف سے جان بوجھ کر تیار کردہ ایک اور ڈرامے کے طور پر کی جا سکتی ہے۔ اس کی اہمیت نہ صرف اس امکان میں ہے کہ حماس نے ''طوفان الاقصیٰ'' کی تیاریوں کے دوران ''اسرائیل'' سے مذاکرات کیے بل کہ ان مذاکرات کے موضوعات میں بھی ہے۔ زیر بحث تقریباً ہر تجویز نے بالکل اسی تاثر کو تقویت دی جس کی کوشش سنوار کی حکمتِ عملی کر رہی تھی کہ حماس کی قیادت غزہ پر حکومت کرنے کے لیے معاشی اقدامات، نقل وحرکت کی آزادی، روزگار، قیدیوں کی رہائی اور ایک پائیدار تصفیے میں تیزی سے سرمایہ کاری کر رہی ہے۔

اس کے علاوہ، چوں کہ کول آئز پر مختلف دھڑوں کے علاوہ خود شن بیت بھی بھروسہ کرتی تھی اس لیے اس چینل سے ملنے والی مثبت معلومات دشمن کی انٹیلی جنس مشینری میں ایک معتبر ذریعے سے داخل ہو سکتی تھیں۔

یہ حقیقت کہ ہارتز کول آئز کو ان بحثوں سے مسلسل اس یقین کے ساتھ واپس آتے ہوئے دکھاتا ہے کہ معاہدہ ہو جائے گا خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ اگر یہ مذاکرات عمومی چھپاؤ کا

حصہ تھے تو کول آئز کو خود اس میں شامل ہونے کا علم ہونا ضروری نہیں تھا۔ درحقیقت ان کا یہ سچا یقین کہ ایک معاہدہ قریب ہے، صرف اس تاثر کو معتبر انداز میں منتقل کرنے میں ان کی افادیت کو بڑھا سکتا تھا۔

ستمبر میں سنوار کی طرف سے اسرائیل کو دی گئی غیر معمولی تنبیہات بھی اس نتیجے کو لازمی طور پر مسترد نہیں کرتی ہیں۔

ہارٹز کی رپورٹ کے مطابق ایک سینئر انٹیلی جنس اہلکار بعد میں اس تنبیہ کی دو متضاد وضاحتیں پیش کرتا ہے۔ سنوار شاید ''اسرائیل کی تاخیری حربوں سے تنگ آ چکے تھے،'' ''ہم پر کسی معاہدے کے لیے دباؤ ڈالنا چاہتے تھے اور جنگ شروع کرنے کے لیے اتنے بے تاب نہیں تھے۔'' یا متبادل کے طور پر یہ تنبیہ خود ان کے ''عظیم دھوکے'' کے منصوبے کا حصہ ہو سکتی تھی جس کے ذریعے انہوں نے ''اسرائیلی فوج کی تیاریوں کا جائزہ لیا۔''

(لہٰذا اس امکان پر کہ تنبیہ خود چھپاؤ کی حکمتِ عملی کا حصہ تھی، اس سینئر انٹیلی جنس اہلکار نے بھی غور کیا ہے جس پر یہ مضمون انحصار کرتا ہے۔)

کول آئز بعد میں سفیان ابوزیدہ کے طور پر سامنے آئے جو فتح کے دحلان دھڑے کی ایک سینئر شخصیت ہیں۔ آن لائن پوسٹ کی گئی ایک ویڈیو میں ابوزیدہ نے اس بات کی تصدیق کی کہ حماس غزہ کے حالات اور قیدیوں کے تبادلے کے سلسلے میں نیتن یاہو کے ساتھ ایک طویل لیکن بلا نتیجہ مذاکراتی عمل میں مصروف تھی۔

یہ ایک اور اشارہ ہے کہ ہارٹز کے مضمون کا بنیادی ذریعہ دحلان تھے جو ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے طویل عرصے سے اسرائیلی سیکیورٹی، انٹیلی جنس اور سیاسی نظام کے لبرل صیہونی پروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ یہ وہی گٹھ جوڑ ہے جس کے خلاف نیتن یاہو بعض اوقات غصے کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

دحلان کے اسرائیلی رابطوں میں اے آیالون (شن بیت کے سابق ڈائریکٹر اور لیبر پارٹی کے سیاست دان) اور شلومو بن امی (سابق لیبر پارٹی کے وزیر خارجہ اور اندرونی سیکیورٹی کے وزیر) جیسے افراد شامل ہیں۔

اس پس منظر میں ہارٹز کے مضمون کو اور خاص طور پر اس کا یہ تاثر کہ نیتن یاہو نے آنے والے آپریشن کی انٹیلی جنس وارننگز کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا، دحلان کے سیاسی مفادات کی خدمت کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ انٹیلی جنس ناکامی کی مزید ذمہ داری نیتن یاہو پر ڈالتا ہے جب کہ لبرل صیہونی سیٹ اپ کو بری الذمہ قرار دیتا ہے اور ایک ایسے فلسطینی سیاسی اداکار کی اہمیت کو برقرار رکھتا ہے جس کے اس اسرائیلی سیاسی سیٹ اپ کے ساتھ پرانے تعلقات ہیں۔ یہ سب کچھ ایسے وقت میں سامنے آ رہا ہے جب آنے والے اسرائیلی انتخابات میں دونوں اہم فریق زبردست مقابلے میں ہیں۔

دحلان کے سیاسی تعلقات کا اسرائیلی سیکیورٹی اور انٹیلی جنس اداروں تک طویل عرصے سے بآسانی رسائی کے ساتھ تصادم رہا ہے۔ 1990 کی دہائی میں غزہ میں فلسطینی اتھارٹی کی پریوینٹو سیکیورٹی سروس کے سربراہ کے طور پر دحلان نے شن بیت اور دیگر سینئر اسرائیلی سیکیورٹی حکام کے ساتھ باقاعدہ رابطے برقرار رکھے اور ماضی میں بھی اسرائیلی اور امریکی خفیہ اداروں کے ساتھ قریبی تعلقات برقرار رکھے۔

لہٰذا ان رپورٹس کو دحلان کی اس وسیع تر کوشش کے تناظر میں بھی دیکھا جانا چاہیے جس کا مقصد جنگ کے بعد کے سیاسی نظام میں اپنے اور اپنے دھڑے کے لیے ایک کردار محفوظ کرنا ہے جہاں ایک لبرل صیہونی یا سینٹرسٹ حکومت حماس کی حکومت کو پسند نہ کرے لیکن دحلان کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ چھپاؤ کی یہ حکمتِ عملی آزمودہ اور تجربہ شدہ ہے۔

اکتوبر 1973 کی جنگ سے چند ماہ قبل جب مصر اور شام نے 1967 میں اسرائیل کے غیر قانونی طور پر قبضہ کردہ اپنے علاقوں کو آزاد کرانے کی کوشش کی تھی، مصری فوج نے سفارتی کوششوں کے ساتھ ساتھ کھلے عام ملٹری مشقیں کی تھیں جن کی بدولت ایک حیران کن اور مؤثر حملے کی راہ ہموار ہوئی۔

کھلے عام فوجی مشقیں

اسرائیلی محقق اوری بار جوزف کے مطابق ''اسرائیل کو یہ باور کرانے کا فعال اقدام کہ مصر کی فوجی تیاریاں جنگ کے لیے نہیں بل کہ ایک مشق کے لیے تھیں۔۔۔ اسرائیلیوں کو غلط پیغامات بھیج کر کیا گیا تھا۔'' پانچ دہائیوں بعد حماس نے اسی طرح کی حکمتِ عملی اپنائی۔

12 ستمبر 2023 کو کئی فلسطینی مزاحمتی دھڑوں نے ''مائٹی پلر 4'' (Mighty Pillar 4) کے نام سے ایک مشترکہ فوجی مشق کی جو کہ اس بات کی نشانی تھی کہ جوائنٹ آپریشنز روم نے مسلسل چوتھے سال ایسی مشق انجام دی۔ اس مشق میں مغربی کنارے میں تین اسرائیلی ملٹری سائٹس پر حملوں کی نقل تیار کی گئی تھی۔ یہ بظاہر ہنگامی حالات میں دفاع کرنے کی مزاحمت کی صلاحیت کی رفتار اور ہم آہنگی کا جائزہ لینے کے لیے کی گئی تھی۔

سب کے سامنے کھلے عام کام کرنے نے مزاحمت کو فائدہ پہنچایا۔ جیسا کہ مرداوی نے الجزیرہ کے انٹرویو میں وضاحت کی، سنوار نے مشق کی نگرانی کرنے والے کمانڈروں کو ہدایت کی کہ وہ کھلے عام تربیت کریں ''کیوں کہ دشمن طیاروں کے ذریعے کسی بھی خفیہ آپریشن کا پتہ لگا لے گا۔''

اس طرح سنوار نے دشمن سے اس سادہ سی حقیقت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی کہ کسی قسم کے حملے کی فوجی تربیت کی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود مغربی کنارے کے ایک فرضی آپریشن پر مرکوز ہونے کی وجہ سے یہ مشق جان بوجھ کر گمراہ کن لگتی ہے، جس نے چند ہفتوں بعد غزہ سے شروع ہونے والے غیر معمولی آپریشن سے توجہ ہٹا دی۔ 7 اکتوبر 2023 کو اسرائیل کا حماس کے ہاتھوں اچانک حیران رہ جانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کی غزہ ڈویژن کے بہت سے فوجیوں کو مغربی کنارے میں تعینات کر دیا گیا تھا۔

عبرانی میڈیا نے ان نقل و حرکت کا مشاہدہ کیا جس میں مختلف قسم کے اسرائیلی جاسوس ڈرونز اس مشق کی نگرانی کر رہے تھے۔

7 اکتوبر 2023 کے واقعات کی ایک اسرائیلی فوجی تحقیقات نے بعد میں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حماس کے جنگ سے پہلے کے رویے میں ''دھوکے کے اجزاء'' شامل تھے جنہوں نے اس مروجہ تاثر کو تقویت دی اور مضبوط کیا کہ حماس ڈری ہوئی ہے اور کسی بڑی جنگ میں دلچسپی نہیں رکھتی۔ تحقیقات نے نتیجہ اخذ کیا ''ماضی کے تناظر میں، یہ تصور ایک بہت بڑی غلطی تھا۔''

امیت دہشت گردی و انٹیلی جنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی 18 جون 2026 کی ایک تحقیق جس کا عنوان ''7 اکتوبر 2023 کے حملے سے پہلے حماس کا دھوکہ دہی کا منصوبہ'' تھا میں حماس کی جنگ سے پہلے کی چھپاؤ کی حکمتِ عملی کو دوبارہ تیار کیا گیا ہے۔ اس تحقیق میں ظاہری طور پر ''معمول'' کی مشترکہ فوجی مشقوں کے ایک سلسلے کو حماس کے اس منصوبے کے عنصر کے طور پر نشان زد کیا گیا ہے۔

یہ خاص طور پر 12 ستمبر 2023 کی ''مائٹی پلر 4'' فلسطینی تربیتی مشق کی تصدیق کرتی ہے جو کہ طوفان الاقصیٰ سے بالکل پہلے ہوئی تھی۔ یہ مشق 7 اکتوبر سے پہلے کی آخری فوجی

مشق تھی اور اس میں کئی ایسے عناصر شامل تھے جو خود طوفان الاقصیٰ میں استعمال کیے گئے جن میں راکٹوں کی شیلنگ، اینٹی ٹینک میزائلوں کی بوچھاڑ، ایک ساحلی حملہ اور ایک فرضی اسرائیلی آرمی بیس پر حملہ شامل تھا۔

اسرائیلی اخبار والہ (Walla) میں شائع ہونے والے 10 اکتوبر 2023 کے ایک مضمون میں بتایا گیا کہ کس طرح کھلے عام تربیتی نشستیں منعقد کرنے پر ان پریکٹس رائیڈز اور حملوں کو محض نفسیاتی حربہ سمجھا گیا۔ ایک پرانی ''مائنڈ پلر'' مشق پر تبصرہ کرتے ہوئے بگین سادات سینٹر فار اسٹریٹجک اسٹڈیز (ایک اسرائیلی تھنک ٹینک) نے 2021 میں نتیجہ اخذ کیا تھا کہ حماس ''اسرائیل کے ساتھ سکون برقرار رکھنا چاہتی ہے'' اور ''اس مشق میں دکھائی گئی بہتر صلاحیتیں دفاعی تھیں اور ان کا مقصد اسرائیل کو روکنا تھا۔ حماس [اسرائیلی فوج] کے ساتھ مقابلہ کرنے کی خواہش ظاہر نہیں کر رہی ہے۔''

نوآبادیاتی تکبر

طوفان الاقصیٰ کے بعد اسرائیلی ملٹری انٹیلی جنس کے ریسرچ ڈویژن کے سابق سربراہ ریزرو بریگیڈیئر جنرل یوسی کوپرواسر نے غصے کا اظہار کیا کہ انہیں پہلے ہی معلوم ہو جانا چاہیے تھا لیکن یہ بات 7 اکتوبر 2023 سے پہلے اسرائیلی سیکیورٹی اداروں میں پھیلے ہوئے تکبر سے متصادم ہے۔

مختصر یہ کہ انہوں نے اپنے نوآبادیاتی موضوع (Colonial Subject) کو کم تر سمجھا۔ جنوری 2019 سے جنوری 2023 تک اسرائیلی فوج کے جنرل اسٹاف کے چیف ایویو کوخاوی نے پہلے یہ اندازہ لگایا تھا کہ چاہے کوئی بھی اشتعال انگیزی سامنے آئے ''نہ صرف حماس جواب نہیں دے رہی ہے بل کہ وہ غزہ کی پٹی میں ہمارے حملوں کا جواب دینے پر غور بھی نہیں کر رہی ہے۔''

7 اکتوبر 2023 کے فلسطینی فوجی حملے کے بعد کے تجزیے، جو یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسرائیل کو پہلے سے معلوم ہونا چاہیے تھا، اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں کہ اسرائیل کی انٹیلی جنس اور فوجی کمان میں کئی نوآبادیاتی گھمنڈ اور غلط فہمیاں موجود تھیں۔

جو مبصرین یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسرائیل کو آنے والے آپریشن کا علم ہونا چاہیے تھا، وہ اکثر ''جیریکو وال'' (Jericho Wall) کے نام سے ایک انٹیلی جنس رپورٹ کا حوالہ دیتے ہیں جو شن بیت نے واقعے کے بعد پیش کی تھی۔ ان دعوؤں میں مصر اور متحدہ عرب امارات کی پیشگی تنبیہات کے بارے میں تبصرے بھی شامل ہیں۔ نیتن یاہو اور ان کے اتحادیوں نے ان تنبیہات کے بارے میں رپورٹس کی بار بار تردید کی ہے۔

اگرچہ کوئی بھی شخص اس طرح کی تردیدوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کا حق رکھتا ہے کیوں کہ وزیر اعظم ظاہر ہے کہ ذمہ داری سے بچنا چاہتے ہیں لیکن ان میں سب سے اہم ثبوت مذکورہ بالا ''جیریکو وال'' دستاویزات ہیں۔

اس طرح کی دستاویز کا وجود سب سے پہلے ایڈم گولڈمین، رونن برگمین اور جو بیکر نے نومبر 2023 کے آخر میں نیویارک ٹائمز کے صفحات پر ظاہر کیا تھا۔

اخبار نے دعویٰ کیا کہ ''اسرائیلی حکام نے 7 اکتوبر کے دہشت گردانہ حملے کے لیے حماس کا جنگی منصوبہ اس کے وقوع پذیر ہونے سے ایک سال سے بھی پہلے حاصل کر لیا تھا۔''

مضمون میں بتایا گیا کہ ''حکام یہ نہیں بتائیں گے کہ انہوں نے جیریکو وال کی دستاویز کیسے حاصل کی'' اور یہ کہ ''یہ سالوں سے جمع کیے گئے حملے کے منصوبوں کے کئی ورژنوں میں سے ایک تھا۔ مثال کے طور پر وزارتِ دفاع کا 2016 کا ایک میمورنڈم کہتا ہے کہ: حماس کا اگلا تصادم اسرائیلی علاقے میں لے جانے کا ارادہ ہے۔''

جیریکو وال

بعد میں ''جیریکو وال'' کے بارے میں اسرائیلی میڈیا کی رپورٹس نے 2016 کے ایک مبینہ منصوبے کی تفصیل بتائی، جسے اسرائیلی انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ نے مبینہ طور پر 2018 میں حاصل کیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ حماس کے ملٹری ونگ القسام بریگیڈ کی سرفروش نخبہ فورس، غزہ ڈویژن کی پوسٹوں پر حملہ کر کے انہیں تباہ کر دے گی، اور سب کچھ زمین کے اوپر کیا جائے گا، جب کہ قیدیوں کو حاصل کرنے کے لیے غزہ کی سرحد پر واقع بستیوں اور قریب کی ''اہم سائٹس'' کو نشانہ بنایا جائے گا۔

بعد کے ایڈیشنز بشمول 2022 کی رپورٹ جس نے ''جیریکو واقل'' کا نام قائم کیا، نخبہ فورس کے کارکنوں کے غزہ ڈویژن کے دفاع کو توڑنے اور جنوبی اسرائیل میں اسرائیلی شہروں تک پہنچنے کے گرد گھومتے ہیں۔

اگرچہ یہ رپورٹس اسرائیلی انٹیلی جنس کی ظاہری غفلت پر افسوس کا اظہار کرتی ہیں لیکن یہ اس حد کو بھی پس پشت ڈال دیتی ہیں جس حد تک مزاحمتی تحریک نے 7 اکتوبر 2023 تک کے سالوں اور مہینوں میں انٹیلی جنس اور کاؤنٹر انٹیلی جنس کی حکمتِ عملی کا استعمال کیا۔

یاد رکھیں کہ سنوار نے نخبہ فورس کو تحلیل کر دیا تھا۔ اس سے بننے والے تاثر نے یہ وضاحت کی کہ جیریکو وال کی دستاویزات جو صرف یہ بتاتی تھیں کہ مزاحمتی تحریک کی امید تھی کہ وہ کسی وقت اسرائیلی بستیوں سے قیدیوں کو پکڑ کر آزاد فلسطینی قیدیوں سے تبادلہ کرے گی، کو حماس کی روزمرہ کی آپریشنل سرگرمیوں کے پیش نظر ایک عملی منصوبے کے طور پر نہیں دیکھا گیا۔

یہاں ایک اہم عنصر یہ ہے کہ ''جیریکو وال'' میں کبھی بھی اس طرح کے کسی ملٹری آپریشن کے دقیق اور صحیح وقت کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔

نیشنل سیکیورٹی اسٹڈیز کے محقق ایرک ڈاہل اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس طرح کی مبہم ''وسیع تنبیہات'' جو یہ بتاتی ہیں کہ مستقبل میں کوئی جنگ ہوگی، انٹیلی جنس حکام کے لیے کسی ہدایت یافتہ پہلے سے حفاظتی ردعمل کو ترتیب دینے کے لیے ''کافی نہیں'' ہیں۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہے ''مخصوص اور ہدف شدہ'' پن پوائنٹ یعنی باریک بین وارننگز۔

مزاحمت کی ان ابتدائی تیاریوں کا جائزہ لیتے ہوئے، ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے دشمن کی توقعات کو ڈھالنے کے لیے خفیہ آپریشنز اور محصور ہونے کا تاثر دینے کے دوہرے پروگرام کو آگے بڑھایا۔ انٹیلی جنس تجزیہ کار سنتھیا گرابو کے الفاظ میں ''تمام دھوکہ دہی کے منصوبوں اور آپریشنز میں سب سے کامیاب وہ ہوتے ہیں جو دشمن کے اپنے تعصّبات پر قائم ہوتے ہیں اور اسے فعال طور پر ان پر یقین کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔''

اس بات پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے کہ 7 اکتوبر 2023 اسرائیل کے لیے صرف انٹیلی جنس کی ناکامی کیسے تھی، اس بات پر توجہ دے کر کہ یہ مزاحمت کے لیے ایک عملی کامیابی کیوں تھی، ہم مزاحمت کی چھپاؤ کی حکمتِ عملی کی مکمل وسعت کا بہتر حساب لگا سکتے ہیں، جو کہ تاریخی ریکارڈ ثابت کرتا ہے کہ سالوں کی محنت کا نتیجہ تھی۔

مجمع حرکات ایک مترجم اور سیاسی فلسفے کے تعلیمی محقق ہیں، جو غیر ریاستی اداکاروں، سیاسی اسلام اور خاص طور پر حماس کی تاریخ میں مہارت رکھتے ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں بیروت میں الزیتونہ سینٹر فار اسٹڈیز اینڈ کنسلٹیشنز کے ساتھ تحقیق کی ہے اور ان کی علمی تحریریں تعلیمی فورمز اور اور نیو کوٹر پبیون اور لبریٹڈ ٹیکسٹس جیسے فورمز میں شائع ہوئی ہیں۔

خصوصی رپورٹ: لمیس تغرید



موساد: تاریخ، عالمی کردار اور سرزمین فلسطین پر اثرات

مشرقِ وسطیٰ کی جدید تاریخ اور بین الاقوامی سیاست پر جس ایک ایجنسی کے گہرے، متنازع اور ہمہ گیر اثرات مرتب ہوئے ہیں، وہ اسرائیل کی غیر ملکی انٹیلی جنس ایجنسی موساد ہے۔ اس ایجنسی کو دنیا کی سب سے زیادہ فعال، پراسرار اور بے رحم خفیہ تنظیموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ موساد کا سرکاری نام ''انسٹی ٹیوٹ فار انٹیلی جنس اینڈ سپیشل آپریشنز'' ہے اور یہ براہِ راست اسرائیل کے وزیر اعظم کے سامنے جوابدہ ہے۔ اس کا بنیادی مقصد اسرائیل کے مفادات کا تحفظ اور غیر ملکی سرزمین پر انٹیلی جنس معلومات جمع کرنا بتایا جاتا ہے، لیکن اپنے قیام کے پہلے دن سے ہی موساد نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے تمام تر بین الاقوامی قوانین، اخلاقی اقدار اور دوسرے ممالک کی خودمختاری کو پس پشت ڈال کر جاسوسی، تخریب کاری اور ماورائے عدالت قتل کی پالیسی کو اپنایا۔ ان کارروائیوں نے نہ صرف عالمی سطح پر شدید سفارتی بحران پیدا کیے بل کہ خصوصاً سرزمینِ فلسطین پر نسل در نسل تباہی اور بدامنی کو جنم دیا۔

موساد کا قیام اور اس کا بنیادی ڈھانچہ

اسرائیل کی ناجائز ریاست کے قیام کے فوراً بعد 13 دسمبر 1949ء کو پہلے اسرائیلی وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریون کے حکم پر موساد کی بنیاد رکھی گئی۔ اس ایجنسی کو ایک ایسی ڈھال اور تلوار کے طور پر ڈیزائن کیا گیا تھا جو دنیا بھر میں موجود اسرائیلی دشمنوں کو نشانہ بنا سکے۔ اپنے آپریشنز کو منظم انداز میں چلانے کے لیے موساد نے کئی داخلی شعبے قائم کیے۔ ان میں سب سے خوفناک اور پراسرار شعبہ ''کڈون'' ہے، جسے ''میٹساڈا'' بھی کہا جاتا ہے اور یہ شعبہ خصوصی طور پر ٹارگٹ کلنگز، بم دھماکوں اور تخریب کاری کے انتہائی خفیہ مشنز کو انجام دینے کے لیے مخصوص ہے۔ اس کے علاوہ ''کیدان'' نامی شعبہ دنیا بھر میں غیر ملکی ایجنٹوں اور جاسوسوں کی بھرتی کا ذمہ دار ہے، جب کہ اس کا سائنسی و تکنیکی شعبہ دشمن ممالک کے سیکیورٹی نیٹ ورکس کو توڑنے اور سائبر حملوں کی منصوبہ بندی کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

عالمی سطح پر موساد کا کردار اور متنازع کارروائیاں

موساد نے اپنے قیام کے بعد سے دنیا کے مختلف براعظموں میں متعدد ایسے خفیہ آپریشنز کیے جن کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر قانونی اور سفارتی تنازعات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ موساد کے ابتدائی اور سب سے مشہور آپریشنز میں سے ایک 1960ء میں سابق نازی اہلکار ایڈولف ایچ مین کا ارجنٹائن سے اغوا تھا۔ موساد نے ارجنٹائن کی خودمختاری کی پروا کیے بغیر اسے خفیہ طور پر اسرائیل پہنچایا جہاں اس پر مقدمہ چلا کر اسے پھانسی دی گئی۔ 1972ء کے میونخ اولمپکس میں اسرائیلی کھلاڑیوں کی ہلاکت کے بعد موساد نے ''آپریشن وراتھ آف گاڈ'' کا آغاز کیا، جس کے تحت یورپ اور مشرقِ وسطیٰ میں فلسطینی مفکرین اور رہنماؤں کو چن چن کر نشانہ بنایا گیا۔ اس آپریشن کے دوران موساد کی پیشہ وارانہ ساکھ کو اس وقت شدید دھچکا لگا جب ناروے کے شہر للیہیمر میں اس کے ایجنٹوں نے ایک بے گناہ مراکشی ویٹر کو غلط فہمی میں قتل کر دیا، جس پر اسرائیل کو سخت عالمی رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

علاوہ ازیں دشمن ممالک کے سائنسی اور ایٹمی پروگراموں کو مفلوج کرنا بھی موساد کی

ترجیحات میں شامل رہا ہے۔ 1981ء میں عراق کے ''اوسیراک'' ایٹمی ری ایکٹر پر اسرائیلی فضائی حملے سے قبل موساد نے فرانس میں اس ری ایکٹر کے اجزاء کو بم دھماکوں سے تباہ کیا اور عراقی ایٹمی سائنسدانوں کو قتل کیا۔ موساد نے روایتی انٹیلی جنس اور جاسوسی کی سرحدوں سے آگے نکل کر جدید سائبر جنگ اور سائنسی تخریب کاری کو بھی اپنے بنیادی ہتھیار کے طور پر اپنایا ہے۔ اکیسویں صدی میں موساد نے ملٹری انٹیلی جنس یونٹ 8200 کے ساتھ مل کر ایسی ٹیکنالوجیز تیار کیں جن کا مقصد دشمن ممالک کی تکنیکی انفراسٹرکچر کو بغیر کسی فوجی حملے کے تباہ کرنا تھا۔ اس کی سب سے بڑی مثال 2010ء میں سامنے آنے والا ''سٹکس نیٹ'' (Stuxnet) وائرس تھا، جسے امریکی اور اسرائیلی انٹیلی جنس نے مشترکہ طور پر تیار کیا تھا۔ اس سائبر وائرس نے ایران کی نتنز ایٹمی تنصیب کے کنٹرول سسٹمز پر حملہ کر کے سینٹری فیوجز کو جسمانی طور پر تباہ کیا، جس سے ایران کے ایٹمی پروگرام کو شدید نقصان پہنچا۔ اس کے بعد سے موساد نے آرٹیفیشل انٹیلی جنس، سیٹلائٹ ٹریکنگ اور ریموٹ کنٹرولڈ روبوٹک ہتھیاروں کا استعمال شروع کیا۔ ایرانی ایٹمی سائنسدان محسن فخری زادہ کا قتل اسی جدید سائنسی تخریب کاری کی ایک واضح مثال ہے، جس میں سیٹلائٹ اور اے آئی سے کنٹرول ہونے والی مشین گن کا استعمال کیا گیا، جس نے بغیر کسی ایجنٹ کے موقع پر موجودگی کے ہدف کو نشانہ بنایا۔ ان تمام کارروائیوں کے لیے موساد کے ایجنٹ اکثر برطانیہ، آسٹریلیا، آئرلینڈ اور دیگر دوست مغربی ممالک کے جعلی پاسپورٹس کا استعمال کرتے رہے ہیں، جس کی ایک واضح مثال 2010ء میں دبئی کے ایک ہوٹل میں حماس کے سینئر رہنما محمود المبحوح کا قتل تھا، جہاں درجن بھر ایجنٹوں نے مغربی پاسپورٹ استعمال کر کے اس کارروائی کو انجام دیا۔

انتیبے کا خونریز چھاپہ: موساد کی سفاکیت اور کھلی جارحیت

موساد اور اسرائیلی فوج کی تاریخ کے جس واقعے کو مغربی میڈیا ہمیشہ ایک ''جرأت مندانہ ریسکیو آپریشن'' کے طور پر پیش کرتا ہے، اگر اس کا حقیقت پسندانہ اور غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو یہ کسی بھی بین الاقوامی قانون، خودمختاری اور انسانی اصولوں کے منافی ایک صریح سفاکیت، دہشت گردی اور خونریز جارحیت تھی۔ 1976ء میں پیش آنے والا ''آپریشن انتیبے'' اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کس طرح موساد کی مہلک منصوبہ بندی اور اسرائیلی فوج نے طاقت کے اندھے استعمال سے ایک خودمختار افریقی ملک کی سرزمین کو خون میں نہلا دیا۔

اس سفاکانہ واقعے کا پس منظر یہ تھا کہ جون 1976ء میں ایک مسافر طیارے کو اغوا کر کے یوگنڈا کے دارالحکومت کے قریب واقع ''انتیبے ایئرپورٹ'' پر اتارا گیا۔ اگرچہ اس ہائی جیکنگ میں فلسطینی عسکریت پسند شامل تھے، لیکن یوگنڈا کی حکومت اس انسانی بحران کو پرامن طریقے سے حل کرنے اور مسافروں کی حفاظت کے لیے سفارتی کوششیں کر رہی تھی۔ اس وقت یوگنڈا کے صدر ایدی امین خود اس معاملے میں ثالث کا کردار ادا کر رہے تھے اور انہوں نے مسافروں کو خوراک اور تحفظ فراہم کیا ہوا تھا۔ دنیا بھر کے ممالک اس تنازع کو بات چیت اور سفارتکاری کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن اسرائیل نے سفارتکاری کے دروازے بند کر کے خون بہانے اور طاقت کے زور پر اپنے عزائم پورے کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہیں سے موساد کے مکروہ اور سفاکانہ کردار کا آغاز ہوا۔ موساد کے جاسوسوں نے ایک خودمختار ملک کی سلامتی اور قانون کو پامال کرتے ہوئے اندرونی معلومات اکٹھی کیں۔ اسرائیلی حکومت نے مذاکرات کا صرف ایک ڈھونگ رچا رکھا تھا تاکہ یوگنڈا کی حکومت کو دھوکے میں رکھا جا سکے، جب کہ پردے کے پیچھے ہزاروں میل دور ایک غریب افریقی ملک پر شب خون مارنے کی گھناؤنی تیاری کی جا رہی تھی۔ اس بربریت کی کمانڈ بریگیڈیئر جنرل ڈان شومرون اور جونی نیتن یاہو جیسے سفاک فوجی افسران کے ہاتھ میں تھی۔ اسرائیل سے چار بڑے فوجی ہرکولیس طیارے اسلحے اور قاتل کمانڈوز سے لیس ہو کر بین الاقوامی فضائی قوانین کو روندتے ہوئے یوگنڈا کی حدود میں داخل ہوئے۔

اس آپریشن کی اصل ہولناکی اس وقت سامنے آئی جب آدھی رات کو اسرائیلی کمانڈوز نے انتیبے ایئرپورٹ کے ٹرمینل پر اچانک اور سفاکانہ حملے کا آغاز کیا۔ انہوں نے کسی قانونی چارہ جوئی یا وارننگ کے بغیر وہاں موجود افراد پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ اس خونریز کارروائی میں نہ صرف ہائی جیکرز بل کہ یوگنڈا کے وہ بے گناہ سکیورٹی اہلکار بھی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے جو اپنی قومی حدود اور ایئرپورٹ کی حفاظت پر مامور تھے۔ اسرائیلی کمانڈوز نے محض چند منٹوں میں درجنوں افراد کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا، لاشوں کے ڈھیر لگا دیے اور ایئرپورٹ پر کھڑے یوگنڈا کے تمام لڑاکا طیاروں (مگ جیٹس) کو بم دھماکوں سے تباہ کر کے اس غریب ملک کے انفراسٹرکچر کو شدید نقصان پہنچایا۔

یہ کوئی ''معجزہ'' یا بہادری کا کارنامہ نہیں تھا، بل کہ ایک طاقتور ریاست کی طرف سے ایک کمزور اور ترقی پذیر افریقی ملک کی خودمختاری پر سنگین ڈاکہ اور کھلی دہشت گردی تھی۔ اس سفاکیت نے یہ ثابت کر دیا کہ موساد اور اسرائیلی فوج کے نزدیک بین الاقوامی قوانین، کسی ملک کی سالمیت اور انسانی جان کی کوئی وقعت نہیں ہے اور وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کسی بھی ملک میں گھس کر خون کی ہولی کھیلنے کا مکروہ ترین ریکارڈ رکھتے ہیں۔

فلسطین اور فلسطینی عوام پر موساد کی تباہ کاریاں

فلسطینی عوام اور ان کی آزادی کی تحریک کے لیے موساد ہمیشہ سے جبر، خوف اور تباہی کی سب سے بڑی علامت رہی ہے۔ موساد نے فلسطین کی قومی شناخت، سیاسی تنظیموں اور ان کی قیادت کو ختم کرنے کے لیے ہر ممکن حربہ استعمال کیا۔ اس کی سب سے بڑی ترجیح فلسطینیوں کی باصلاحیت قیادت اور مفکرین کو ختم کرنا رہا ہے تاکہ آزادی کی تحریک کو مفلوج کیا جا سکے۔ 1972ء میں معروف فلسطینی ادیب، صحافی اور انقلابی مفکر غسان کنفانی کو بیروت میں ان کی گاڑی میں بم لگا کر شہید کر دیا گیا۔ اسی طرح 1988ء میں فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کے سینئر رہنما خلیل الوزیر (ابو جہاد) کو تیونس میں ان کے گھر کے اندر گھس کر ان کے اہل خانہ کے سامنے بے دردی سے قتل کیا گیا۔ 1995ء میں مالٹا میں اسلامی جہاد کے بانی فتحی شقاقی کو موٹر سائیکل پر سوار ایجنٹوں نے گولی مار کر شہید کر دیا۔

موساد کی رسوائی کی ایک اور بڑی مثال 1997ء میں اردن کے دارالحکومت عمان میں سامنے آئی، جب موساد کے ایجنٹوں نے کینیڈین پاسپورٹ پر اردن میں داخل ہو کر حماس کے رہنما خالد مشعل کے کان میں زہر ڈالنے کی کوشش کی۔ اردنی سیکیورٹی اداروں نے موساد کے ایجنٹوں کو موقع پر ہی گرفتار کر لیا۔ اس وقت کے اردن کے شاہ حسین نے اسرائیل پر واضح کر دیا کہ اگر خالد مشعل کے لیے زہر کا تریاق فوری طور پر فراہم نہ کیا گیا اور حماس کے بانی شیخ احمد یاسین کو اسرائیلی جیل سے رہا نہ کیا گیا تو وہ ان ایجنٹوں کو پھانسی دے دیں گے اور اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ ختم کر دیں گے، جس کے نتیجے میں اسرائیل کو جھکنا پڑا۔

ٹارگٹ کلنگ کے ساتھ ساتھ موساد نے مقبوضہ مغربی کنارے اور غزہ کے علاقوں میں



جاسوسی کا ایک ایسا جابرانہ اور وسیع نیٹ ورک قائم کیا جس نے فلسطینی معاشرے کا امن و سکون برباد کر دیا۔ موساد نے عام فلسطینیوں کی معاشی مجبوریوں، ہسپتالوں میں علاج معالجے کے لیے سفری پرمٹس کی ضرورت اور بلیک میلنگ کو بطور ہتھیار استعمال کیا اور انہیں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف معلومات فراہم کرنے پر مجبور کیا۔ اس حکمت عملی نے فلسطینی معاشرے کے اندر شدید عدم اعتماد، خوف اور انارکی کو جنم دیا۔ مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں موساد اور شین بیت نے ایک ایسا جدید ڈیجیٹل اور تکنیکی حصار قائم کر رکھا ہے جس نے عام فلسطینیوں کی زندگی کو ایک مسلسل نگرانی کی زد میں دے دیا ہے۔ موساد نے اسرائیل کی نجی سائبر فرموں (جیسے این ایس او گروپ کے ''پیگاسوس'' اسپی ویئر) کی تیار کردہ ٹیکنالوجی کو استعمال کر کے فلسطینی رہنماؤں، انسانی حقوق کے کارکنوں اور صحافیوں کے موبائل فونز اور ڈیجیٹل مواصلات پر مکمل کنٹرول حاصل کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مغربی کنارے اور غزہ کے سرحدی راستوں اور چوکیوں پر چہرے کی شناخت (Facial Recognition) والے کیمرے، ڈرونز اور سیٹلائٹ ٹریکنگ کا ایک وسیع جال بچھایا گیا ہے۔ اس تکنیکی نگرانی کا مقصد نہ صرف کسی بھی ممکنہ مزاحمت کو ابتدائی مرحلے میں ہی ناکام بنانا ہے بل کہ عام شہریوں کا ڈیٹا جمع کر کے انہیں مختلف طریقوں سے بلیک میل کرنا اور ان کے نجی و اجتماعی امن کو سلب کرنا ہے۔ مزید برآں موساد نے اسرائیل کے اندرونی سیکیورٹی ادارے شین بیت کے ساتھ مل کر فلسطینیوں کی مالی معاونت کی راہیں بند کیں، ان کی تعلیمی و سماجی تنظیموں کو مفلوج کیا اور ان کی سپلائی لائنز کو تباہ کیا، جس کے نتیجے میں لاکھوں عام فلسطینی بنیادی انسانی حقوق، آزادی اور پرامن زندگی سے محروم ہو گئے۔

موساد کے اہم ناکام آپریشنز اور عالمی رسوائی

اگرچہ موساد کو اکثر ایک ناقابلِ شکست ایجنسی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، لیکن اس کی تاریخ میں ایسے بڑے ناکام مشنز اور سنگین غلطیاں بھی شامل ہیں جن سے اس کی پیشہ ورانہ ساکھ کو شدید نقصان پہنچا اور اسے عالمی سطح پر رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

1973ء میں ناروے کے شہر للیہمر (Lillehammer) میں موساد کے ایجنٹوں نے میونخ اولمپکس کے ماسٹر مائنڈ علی حسن سلامہ کے دھوکے میں ایک بالکل بے گناہ مراکشی ویٹر احمد بوشیکی کو اس کی حاملہ اہلیہ کے سامنے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ ناروے کی پولیس نے کارروائی کرتے ہوئے موساد کے ہٹ سکواڈ کے چھ ایجنٹوں کو گرفتار کر لیا، جس سے موساد کا پورا یورپین نیٹ ورک بے نقاب ہو گیا۔

اسی طرح 1997ء میں اردن کے دارالحکومت عمان میں حماس رہنما خالد مشعل پر ناکام زہریلا حملہ موساد کے لیے ایک بہت بڑا سفارتی اور آپریشنل بحران بن گیا۔ کینیڈین پاسپورٹ کا استعمال کرتے ہوئے داخل ہونے والے موساد کے ایجنٹوں کو خالد مشعل کے باڈی گارڈ اور اردنی حکام نے موقع پر ہی پکڑ لیا۔ اردن کے شاہ حسین کے سخت دباؤ اور اسرائیل پر امن معاہدہ ختم کرنے کی دھمکی کے بعد، اسرائیل کو مجبوراً زہر کا تریاق فراہم کرنا پڑا اور حماس کے روحانی پیشوا شیخ احمد یاسین سمیت متعدد فلسطینی قیدیوں کو بھی رہا کرنا پڑا۔

علاوہ ازیں 2010ء میں دبئی کے ایک ہوٹل میں حماس کے رہنما محمود المبحوح کے قتل کے دوران موساد کے درجن بھر ایجنٹوں کی تمام تر نقل و حرکت ہوٹل کے سی سی ٹی وی کیمروں میں محفوظ ہو گئیں۔ ان ایجنٹوں کی تصویریں، جعلی آسٹریلوی، برطانوی اور آئرش پاسپورٹس کی تفصیلات اور تکنیکی غلطیاں دنیا بھر کے میڈیا پر نشر ہوئیں، جس کے نتیجے میں برطانیہ اور آسٹریلیا جیسے اتحادی ممالک نے اسرائیلی سفارتکاروں کو اپنے ملکوں سے نکال دیا اور موساد کی حکمت عملی کی دنیا بھر میں مذمت کی گئی۔

موساد کا طرزِ عمل اور اس کی کارروائیاں بین الاقوامی قانون، اقوام متحدہ کے منشور اور جنیوا کنونشنز کے بنیادی اصولوں کی کھلی خلاف ورزی پر مبنی رہی ہیں۔ کسی بھی خودمختار ملک کی حدود میں جا کر بغیر کسی قانونی عمل کے افراد کو ہدف بنا کر قتل کرنا بین الاقوامی سطح پر ریاستی دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے۔ غیر ملکی دوست ممالک کے جعلی پاسپورٹس کا مسلسل استعمال اور شہریوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کرنا ایسے اقدامات ہیں جنہوں نے بین الاقوامی سفارتی اعتماد کو شدید صدمہ پہنچایا ہے۔ عالمی انسانی حقوق کے اداروں اور قانونی ماہرین کے نزدیک موساد کی یہ سرگرمیاں قانون کی بالادستی کے بجائے ''جنگل کے قانون'' کو فروغ دیتی ہیں، جہاں طاقت کے بل بوتے پر اخلاقی اور قانونی اصولوں کو پامال کیا جاتا ہے۔

موساد کی تمام تر سرگرمیوں کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اسرائیلی ریاست اس ایجنسی کو اپنے قومی دفاع اور بقا کے ضامن کے طور پر پیش کرتی ہے، لیکن عالمی قانون اور انسانی حقوق کے تناظر میں اس کا کردار انتہائی جابرانہ اور غیر قانونی رہا ہے۔ خاص طور پر سرزمینِ فلسطین پر موساد کے مظالم نے ایک پوری قوم کو ان کے بنیادی حقِ خودارادیت سے محروم رکھنے اور خطے میں مسلسل تشدد اور بدامنی کو ہوا دینے میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ موساد کی تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ تشدد، ٹارگٹ کلنگ اور خفیہ کارروائیوں سے کسی قوم کی آزادی کی تحریک کو ہمیشہ کے لیے دبایا نہیں جا سکتا اور جب تک فلسطینیوں کو ان کا غصب شدہ حق اور انصاف نہیں ملتا، مشرقِ وسطیٰ میں پائیدار امن کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔



صہیونی جہنم سے واپسی

اسرائیلی فوج نے غزہ میں ہر شے کو ملبہ بنا دیا۔ یوں لگتا تھا کہ لوگ سانس بھی سوئی کے سوراخ جیسی فضا میں لینے پر مجبور کر دیے گئے۔

اسرائیلی تفتیش کار نے ابھی مجھ سے دریافت ہی کیا تھا کہ آیا میں ان کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہوں یا نہیں۔ جس کسی سرنگ تک ان کو لے جا سکتا ہوں؟

میرے اعصاب تَن گئے تھے۔ میں نہیں جان سکا کہ میں کس جواب کا انتخاب کروں۔ یہ 7 دسمبر 2023ء کی نصف شب کا واقعہ ہے۔ تفتیش کار میرے سامنے بیٹھا تھا۔ ہمارے درمیان صرف ایک میز تھا۔ میں ایک سکول چیئر پر بٹھایا گیا تھا۔ انڈرویئر کے سوا میرے جسم پر کپڑے یا لباس نام کی کوئی شے، کوئی تہمت نہیں تھی۔ مجھے ایک کمبل دیا گیا تھا۔

میرے حلق میں پانی کا ذائقہ ابھی باقی تھا۔ یہ پانی مجھے کچھ دیر قبل دیا گیا تھا۔ میرے منہ میں اس چاکلیٹ کا بھی ذائقہ تھا۔۔۔۔۔۔۔ کا وہ آخری موقع تھا۔

یہ سب مجھے اس لیے دیا گیا تھا کہ میں یہ یقین کر لوں کہ میرے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ مجھ سے عربی میں سوال کیا گیا:

''السلام علیکم! کیسے ہو، صلاح؟''

''الحمدللہ، میں بہتر ہوں''، میرا جواب تھا۔

''سنو صلاح! ہمیں ایک دوسرے کو سننا اور فطری انداز میں بات کرنا ہے!''

''ہم اب تک رہا کیوں نہیں کیے گئے، ہم پر کوئی الزام بھی نہیں ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں نظر بند رکھا جائے!'' میرا جواب تھا۔ ''ہم'' سے میری مراد میں خود اور دیگر نظر بند تھے۔

''تم درست کہہ رہے ہو، ہم جانتے ہیں کہ تمہارے خلاف کوئی الزامات نہیں ہیں۔'' اس نے کہا: ''تم بے گناہ ہو اور ہم تمہیں رہا کر دیں گے۔ ان شاء اللہ!'' اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ ایک چھوٹی سے رعایت کرو۔ اس کے بدلے ہم تمہیں رہا کر دیں گے، تم جہاں چاہو گے جا سکو گے۔ اپنی مرضی سے ہر کام کر سکو گے۔''

''کیسی رعایت؟ کیسی فیور!'' میں نروس ہو گیا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ آسان ٹاسک ہے۔ یہ محض 10 سے 15 منٹوں میں پورا ہو جائے گا۔ پھر ہمارا کام مکمل ہو جائے گا۔ اس میں خطرہ بھی کوئی نہیں ہوگا۔

''کیا میں کم از کم جان سکتا ہوں کہ یہ کیا ٹاسک ہے؟''

''ہم چاہتے ہیں کہ تم کسی ٹنل (سرنگ) کے اندر جاؤ، بیس میٹر تک چلتے چلتے دائیں طرف مڑ جاؤ۔ وہاں ایک دروازہ ہے، ہم چاہتے ہیں کہ تم اسے کھولو۔ ہمیں اس کی مکمل تفصیل بتاؤ اور بس!''

میری آواز حلق میں اٹک گئی اور اور بھی نروس ہو گیا۔

''کیا ہوگا کہ اگر سرنگ کے اندر بوبی ٹریپ ہو۔ وہ پھٹ جائے؟ کچھ میرے ساتھ غلط ہو جائے اور سنگ ہی بیٹھ جائے۔ پھر ہم کیا کریں گے؟''

''فکر نہ کرو، ہم نے سرنگ کا مکمل جائزہ لیا ہے۔ ہم نے وہاں ایک ڈرون اور تربیت یافتہ کتا بھی رکھا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''پھر تم اپنے ہی کسی فوجی کو وہاں نیچے کیوں نہیں بھیج دیتے؟ ہر چیز تیار ہے اور سارا انتظام بھی کر لیا گیا۔'' میں نے جواب دیا۔

کیا المیہ ہے!

''تم ایک بار انکار کرو گے اور اس کے نتائج تمہارے لیے بہت خوفناک ہوں گے۔ تم قتل بھی کیے جا سکتے ہو۔'' اب وہ کھل کے بات کرنے لگا تھا۔ تم پر الزام آئے گا کہ تم نے چھپ کر حملہ کیا، مزاحمت کی اور مارے گئے۔ اس کے بعد وہ کھڑا ہو گیا اور بار بار اپنی

پیش کش دھراتا رہا۔ ساتھ ہی کہتا رہا: ''دیکھ لو، دیکھ لو، کس میں فائدہ اور کس میں نقصان کے سوا کچھ نہیں۔''

''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ میری آفر قبول کرلو۔'' سنو! تم اگر انکار کرو گے تو اپنے آپ کو شدید مشکل میں ڈالو گے۔''

اس کا لب ولہجہ اہل غزہ کا سا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ آیا تم عرب ہو، جس پر اس نے ہاں میں جواب دیا۔ میں نے سوال کیا:

''تم دروز ہو یا بدو؟''

''میں دونوں میں سے کچھ بھی نہیں۔''

میں نے اس سے کہا کہ ''پھر تم کہاں سے اور کیا ہو، تمہاری نسل کیا ہے؟''

''اسی میں سے کچھ اسی مثلث کے اندر سے کہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جنوب کا فلسطینی ہے۔

''مجھے یاد پڑتا ہے کہ تم کہاں سے ہو۔ یقین کرو، تمہیں بہت فائدہ ہوگا تعاون کرنے کا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' اس نے اپنی آفر پھر دھرائی۔

وہ واپس مڑا اور مجھ سے پوچھا: ''چناں چہ صلاح! تم اتفاق کرتے ہو یا نہیں۔''

''معاف کیجیے گا کہ میری صحت اس تعاون کے لیے درست نہیں ہے۔ میں یہ کام نہیں کرسکوں گا۔''

''تمہارا یہ حتمی فیصلہ ہے؟ فائنل؟''

''بدقسمتی سے میں یہ کام نہیں کرسکوں گا۔'' میں نے ایک ہی سیکنڈ میں بات پوری کردی۔

میرے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ میں اتنی سرعت سے ایسا جواب دے دوں گا۔ میرا دل کہتا ہے کہ میرے دماغ میں یہ ضرور تھا کہ انکار کا مطلب موت ہے، صرف موت۔

اس نے دوسرے فوجی سے کہا کہ اسے جہاں سے لائے ہو، وہی لے جاؤ۔ اس نے میری آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھی، میرے ہاتھ پہلے سے زیادہ سخت طریقے سے باندھے، شاید سوگنا زیادہ شدت سے۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے ان سے تعاون کرنے سے انکار کردیا ہے۔ اب میری خیر نہیں۔

جیسے ہی مجھے پہلے والی جگہ واپس لے جایا گیا۔ انہوں نے میرے بڑے بھائی عمر کو پکڑا۔ اس کے بعد میں عمر دوبارہ نہیں دیکھ سکا۔

نتیجہ کیا نکلا؟

اس تفتیش سے کئی گھنٹے قبل میں اور عمر اپنی چچی کے اپارٹمنٹ میں سونے کے لیے بستر ٹھیک کررہے تھے۔ یہاں دس سے بارہ خاندان رہتے ہیں۔ ہمارے پڑوس الرمل کو ایک خطرناک زون قرار دیا گیا تھا۔

جب ہم وہاں رہ رہے تھے تو جنگ ہمارے آس پاس ہورہی تھی۔ بموں کی آوازیں کثرت سے سنائی دیتی تھیں۔ جنگ ہماری نگاہوں کے سامنے ہورہی تھی۔ ہم کھڑکیوں سے حملے دیکھتے تھے۔ ہم فاسفورس بم پھٹتے بھی دیکھتے۔ گہرا دھواں پیدا ہوتا اور ڈرون حملے کرتے۔

ہم باہر کی طرف والی دیواروں کے ساتھ سوتے تھے، یہ اس لیے کہ اسرائیلی فوج بمباری بھی کرے تو بم ہمارے سروں کے اوپر سے پڑوس میں جا گرتے۔ اگر ہماری عمارت بھی نشانہ بنتی تو ہم زیادہ ملبے میں گرنے سے محفوظ رہ سکتے تھے۔

پھر 5 دسمبر کی صبح میں اور میرے اہل خانہ جلدی اٹھ بیٹھے۔ وجہ یہ تھی کہ ہماری عمارت سے صرف 200 میٹر کے فاصلے پر اسرائیلی فوج کی گاڑیاں پارک کی گئی تھیں۔ ہم سب اہل خانہ نے فیصلہ کیا کہ ہم بلڈنگ سے باہر نہیں نکلیں گے۔ ہم میں سے ہر ایک سیڑھیوں کے ساتھ چپکا بیٹھا تھا۔ غزہ کے لوگ اسی طرح خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ایک طرح سے وہ بچے رہ سکتے تھے۔

جس دوران میں ہم وہاں بیٹھے اور ایک دوسرے سے باتیں کررہے تھے، ہمارے اوپر والے اپارٹمنٹ میں ایک شیل آکے لگا اور اس سے بڑے پیمانے پر آگ بھڑک اٹھی۔ بہت گہرا دھواں اور شعلے بلند ہوئے۔ اس حملے نے بلڈنگ کے تمام رہائشیوں کو ہمارے سمیت نچلے فلور میں ہال کے اندر جانے پر مجبور کردیا۔ میرے جیسے اور میں خود جو آگ بجھا سکتے تھے، آگ بجھانے لگے حالاں کہ فوج ابھی کئی میٹر پر تھی۔

ہم نے پلاسٹک کی بالٹیوں میں ہمسائے میں اپارٹمنٹس سے پانی لانا شروع کیا۔ ان میں سے بھی ایک اپارٹمنٹ سے آگ بلند ہورہی تھی۔ ہم پانی لاتے رہے اور آگ پر ڈالتے گئے۔ کئی گھنٹوں میں ہم نے آگ بجھادی۔

لیکن آگ بجھتے ہی ہمارے نچلے فلور کے اپارٹمنٹ میں آگ بھڑک اٹھی۔ دھواں ہر طرف پھیل گیا۔ ہم سب پھر نچلے فلور کے اسی ہال میں جمع ہوگئے۔ ہم نے آخر کار اس آگ کو بھی بجھانے کا فیصلہ کرلیا۔ ہم سخت تکلیف دہ محنت کے بعد اسے بھی بجھانے میں کامیاب ہوگئے۔

اس بات کی وضاحت کہ ہم کس طرح بچ جاتے رہے، یہی تھی کہ اللہ کی مرضی یہی تھی۔ ہم نے پھر سے بستر درست کیے اور سونے کے لیے لیٹ گئے۔

اسرائیلی فوج ہماری عمارت تک آگئی تھی۔

اگلی صبح 6 دسمبر کو پرندوں کی چہچہاہٹ سے ہماری آنکھ کھل گئی۔ عجیب طرح کا سکون تھا۔ ہم نے فرض کرلیا کہ فوج جاچکی ہے۔ پھر اچانک ٹینکوں سے بمباری شروع ہوگئی۔ اسرائیلی فوج نے بلڈوزروں سے ہمارے اپارٹمنٹ کے سامنے گراؤنڈ کھودنا شروع کردی۔ ہم دوبارہ بھاگم بھاگ سیڑھیوں کی طرف سب کے سب لپکے۔ اس قدر بمباری تھی کہ باتھ روم جانا بھی محال لگنے لگا تھا۔

وقت گزارنا بہت بھاری پڑ رہا تھا۔ جیسے ہی اندھیرا پھیلتا گیا ہم اپنے بستروں میں پہنچ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ ایک پڑوسی نے ہمیں چند کھجوریں لاکر دیں۔ پھر ہمیں عربی، اور عبرانی میں زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ہمیں کچھ اندازہ نہیں تھا پھر ایک پڑوسی نے سیڑھیوں سے پکارا۔ فوجی آن دھمکے تھے۔ ایک فوجی نے حکم دیا کہ سب نیچے آجائیں۔ ایک قطار بنائیں، اپنے شناختی کارڈ کے ساتھ ہاتھ اوپر کرلیں گویا ہینڈز اپ کرادیا گیا۔

ہم قطار میں باہر گلی کی طرف چلتے گئے۔ وہاں فوج کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ میرے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اتنے قریب سے اسرائیلی فوجیوں کو دیکھا تھا۔ ان کے جسموں کو آرمر یا پھر اسلحہ نے کور کررکھا تھا۔ وہ اس میں بہت موٹے اور بڑے لگ رہے تھے۔

ہم ایک ٹینک کے پاس سے گزارے گئے، اس کی مشین گنوں نے میرا نشانہ لے رکھا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ سٹیل سے بنا ٹینک اتنا بڑا بھی ہوسکتا ہے۔ وہ جدید ٹیکنالوجی سے لیس تھا۔

مجھے یہ احساس بھی ہوا کہ مزاحمت کار کس دلیری کے ساتھ ان ٹینکوں کا سامنا کرتے اور انہیں تباہ کرتے ہوں گے۔

فوجیوں نے عورتوں اور بچوں کو الگ اور لڑکوں اور مردوں کو الگ کر دیا۔ ہم مردوں سے کہا گیا کہ انڈر ویئر کے علاوہ تمام لباس اتار دو ورنہ سخت تشدد ہوگا۔

ہماری آنکھوں پر سیاہ پٹیاں باندھنے اور ہمارے ہاتھ ہتھکڑیوں میں جکڑنے سے پہلے ہم سے ہمارے بارے میں ضروری معلومات لی گئیں۔ وہ ہمیں ایک اور جگہ لے گئے اور گھنٹہ بھر ہمیں کھڑا رکھا گیا۔ ہم پر بھاری لیزر لائٹس ڈالتے اور تضحیک آمیز رویہ اختیار کرتے۔ وہ بار بار ہمارے ہاتھ مزید کس کے باندھتے اور آنکھوں کی پٹیاں سخت کرتے جاتے تھے۔

سردی کا موسم تھا اور ہمارے جسم سخت سردی سے کانپ رہے تھے۔ پھر ایک آواز بلند ہوئی اور ہمیں ایک دوسرے کے قریب ہونے کا حکم دیا گیا۔ ہمیں لگا کہ ہمارے پاؤں کے نیچے زلزلہ آیا ہوا ہے اور زمین بھی کانپ رہی ہے۔ ایک تیز روشنی ہماری بند آنکھوں سے بھی اندر گھستی چلی آتی تھی۔

یوں لگا کہ ہم پر ٹینک چڑھا دیے جائیں گے، چناں چہ میں نے کلمہ شہادت کا ورد شروع کر دیا۔

پہلے والی تیز آواز اور روشنی قریب سے قریب آتی جا رہی تھی۔ جب اس آواز کا انجن بند ہوا تو میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب میری آنکھیں کھلیں تو میں نے خود کو زمین پر لیٹے پایا۔ میں کچھ دیکھنے کے بھی قابل ہو گیا تھا۔ میری آنکھوں سے پٹی ہٹا دی گئی تھی۔

''تم ہم سب کو مروانے لگے تھے۔'' میرے بھائی نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔

میں بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا لیکن فوجیوں نے سمجھا کہ میں فرار ہونے کا ڈرامہ کر رہا ہوں۔

پھر فوجیوں نے ہم سب کو ایک ایک کر کے تفتیش کے لیے طلب کرنا شروع کیا۔ باس کا نام، عمر کے بارے میں معلومات، رمیز کون ہے، تم کون ہو؟ وغیرہ۔

انتظار کی اس ساری مدت میں ہمیں وہ بار بار گھونسے مارتے جس طرح باکسر کسی پنچنگ بیڈ پر مکے برساتے ہیں۔ وہ ہماری توہین کرتے اور بری طرح مار پیٹ کرتے۔

جب میری باری تو پوچھا گیا: ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''صلاح''! میں نے جواب دیا۔ ''تم کیا پڑھ رہے ہو؟''

''کمپیوٹر سسٹم، انجینئرنگ''

''کہاں؟''

''الازہر یونیورسٹی!''

''کیا تم شادی شدہ ہو؟'' مجھ سے پوچھا گیا یا منگنی ہوئی ہے؟''

''نہیں، نہ شادی اور نہ منگنی۔''

''تم کسی سے پیار کرتے ہو یا کسی کے بارے میں ایسا سوچتے ہو؟''۔۔۔

''میں ہلکا سا مسکرایا اور جواب دیا: اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔''

''وہ کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟''

''میں خاموش رہا لیکن وہ پوچھتا رہا کہ میں کس کے بارے میں کیسا سوچتا ہوں۔ میرا پختہ ارادہ تھا کہ میں کسی کا بھی نام نہیں لوں گا۔''

''ٹھیک ہے صلاح، 7 اکتوبر کو تم کیا کر رہے تھے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں سو رہا تھا۔ میزائیلوں کی آواز نے مجھے جگایا۔ سوچنے لگا کہ کیا ہو رہا ہے؟''

''پھر ہمیں کیا پتہ چلا کہ کیا ہو رہا ہے؟''

میں نے ذرا توقف کیا اور کہا کہ ''آپ دیکھ رہے ہیں کہ سارا ملک تباہ ہو رہا ہے۔ ہماری زندگی، ملازمت۔۔ حتیٰ کہ مستقبل تباہ ہو رہا ہے۔ اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ سب ایک غیر ذمہ دارانہ عمل ہے۔''

''او کے، صلاح!'' اس نے مجھے کہا۔ پھر اس نے اپنے ایک فوجی سے کہا: ''اسے بھی دوسروں کے پاس لے جاؤ۔''

مجھے جھکنے پر مجبور کیا گیا اور بالکل رکوع کی حالت میں لے گئے۔ آنکھوں پر پھر پٹی باندھ دی گئی اور ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے۔ مجھے کچھ بھی اندازہ نہ ہو سکا کہ میرے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ فوجی عبرانی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کے پاس ان کی گنوں پر لیزر بیم روشنی کر رہی تھی۔ وہ میری آنکھوں میں پٹی پر روشنی ڈال رہے تھے۔

دوسرے نظر بندوں کو بھی اسی طرح لے جایا جانے لگا۔ یہ سلسلہ دو گھنٹے جاری رہا۔ اس دوران میں فوجی اپنی گنوں کے بٹ مار رہے تھے۔ بعض اوقات وہ ہمیں اپنے فوجی بوٹوں سے ٹھڈے مارتے۔ وقفے وقفے سے ہم پر ٹھنڈا پانی ڈالتے رہے۔ ہماری پشت پر وہ اپنے سگریٹ بھی بجھاتے۔

اس وقت بہت ہی سردی تھی۔ ہم اپنے آپ کو گرم رکھنے کی کوشش میں ایک دوسرے سے چمٹے جاتے۔ فوجی ہمیں مسلسل مار پیٹ کر رہے تھے۔ گرم خون بھی ہمارے سردی سے چمٹے ہوئے جسموں میں جمتا جا رہا تھا۔ یہ سب کچھ اگرچہ بہت غلط ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود ہماری زندگی محض ہمارے اندر گرم خون کی وجہ سے ہی چل رہی تھی۔

اس سرد ترین رات کے بعد مزید تفتیش شروع کر دی گئی۔

جیسے ہی ہمیں ایک جگہ بٹھایا گیا۔ ایک فوجی چیختا چلاتا ہوا مغلظات بکنے لگا۔ پھر کسی فوجی نے مجھ پر ایک کمبل ڈال دیا۔ اور مجھے اندر کی طرف لے گیا۔ وہ مجھے میرے سر سے کھینچ رہا تھا اور میں بدستور رکوع کی حالت میں تھا۔ تھکاوٹ سے میرا برا حال تھا۔ ذرا سیدھا ہونے لگتا تو زور سے گن کا بٹ مارا جاتا اور گالی دی جاتی۔ میری زندگی کی وہ پہلی رات تھی جب میں مسلسل روتا رہا۔ مجھے لگتا کہ یہ ہماری زندگی کی آخری رات ہو سکتی ہے۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اس حالت میں جھکے کتنے ہی گھنٹے گزر چکے ہیں۔ پھر ایک فوجی نے میری آنکھوں سے بندھی پٹی ذرا سی سرکائی تاکہ میں اسے دیکھ سکوں۔ اس نے میرے گھٹنوں کی طرف اپنی گن رکھی اور کہنے لگا:

''آنکھوں سے صرف مجھے دیکھو۔ خبردار! کہیں اور دیکھنے کی جرأت نہ کرنا۔ میرے سوالات کا جواب دو۔''

اس نے تین مرتبہ سوالات پوچھے۔ ہر بار سوالات کرنے بعد ایک گھنٹے کا وقفہ آ جاتا۔ پھر سوال شروع ہو جاتے۔ میں نے نہایت سکون سے ہر بار اس کے سوالات کے جواب دیے۔

جب یہ مرحلہ ختم ہوا تو اس نے 15 منٹ کا وقفہ دیا۔ پھر ایک اور فوجی آ گیا۔ وہ مجھے وہاں لے گیا جہاں دوسرے نظر بند تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ہمارا ماضی کیا ہے۔ ہم سب بار بار پوچھتے کہ ہم اب رہا کیے جائیں گے۔ ہم ان سے کہتے رہے کہ ہم سے چھینے گئے کمبل واپس کر دیں۔ اس کا جواب ہمیں غلیظ گالیوں سے دیا جاتا۔ ہمیں بری طرح مارا جاتا۔ وہ ہماری طرح گھٹنوں کے بل جھک کر ہماری تذلیل کرتے۔ گالیاں بکتے۔

جب ہم نے اصرار کیا کہ ہمیں کمبل دیے جائیں۔ ان میں سے ایک فوجی نے کہا: ''سنو! تمہیں کمبل بالکل نہیں دیے جائیں گے۔ کچھ بھی مت طلب کرو۔ ہم صرف تمہاری موت ہیں۔''

جب ان کی ڈیوٹی ختم ہوئی تو دوسری شفٹ آ گئی۔ ہم نے پھر کمبل دیے جانے کا مطالبہ دھرایا۔ ہماری حیرانی دو چند ہوگئی جب ایک فوجی وہ سب لکھتا جاتا جب ہم کوئی بات یا مطالبہ کرتے۔

میں نے ان سے کہا کہ ہم بھوکے ہیں، ہمیں کھانا دیا جائے، پانی دیا جائے اور باتھ روم استعمال کرنے دیا جائے۔ میری آنکھوں پر پٹی ابھی تک تھی اور ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔ اپنے آپ تھوڑا سا آزاد پا کر اور یہ دیکھ کر کہ مجھے کہاں رکھا جا رہا ہے تو ایک فوجی ہمارے لیے کچھ کھانا لے کر آیا۔ پانی بھی لایا اور ہمیں کمبل دے دیے گئے۔ ہم نے سردی سے کانپتے اپنے جسموں کو ان کمبلوں میں خوب لپیٹ لیا۔

میں نے ٹوسٹ کا ذرا سا حصہ کھایا اور پانی کا بہ مشکل ایک گھونٹ پیا تاکہ باتھ روم کی ضرورت نہ پڑے۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ اچھے لوگ ہیں جو ہمارا خیال رکھ رہے ہیں۔

''کیا تم سگریٹ پیتے ہو، صلاح'' اسے میرا نام یاد تھا۔ جب میں نے انکار کیا تو اس نے کہا کہ تمہارے بھائی نے سگریٹ کی آفر قبول کر لی اور تم انکار کر رہے ہو؟ اب ہم اسے آزاد کر دیں گے اور تم یہیں رہو گے۔ پھر اس نے میرے بھائی عمر اور ایک نظر بند کو پکڑا اور وہاں سے لے گیا۔

میں نے تب سے عمر کو نہیں دیکھا تھا۔ دوسرا نظر بند واپس آ گیا تھا۔ اس نے ٹنل میں جانا قبول کر لیا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ میری آنکھوں کی پٹی کچھ ڈھیلی ہوگئی ہے۔ میں آہستہ آہستہ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ ایک انجینئرنگ ٹیم ٹنل میں داخلے کے اوزار اور ہتھیار تیار کر رہی ہے۔

میں نے دیکھا کہ فوجی کسی سرنگ سے اندر نہیں جا رہے تھے۔ جس نظر بند نے وہاں جانے کا کہا تھا، وہ اس سے ریڈیو کے ذریعے رابطہ کر رہے تھے۔

میں نے ایک فوجی کو کہتے سنا، وہ کہہ رہا تھا: ''سرنگ کا دروازہ اندر سے بہت سختی سے بند کر دیا گیا ہے۔'' مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ ایک فوجی کو شک ہو گیا تھا کہ مجھے کچھ نہ کچھ دکھائی دے رہا ہے۔ وہ جلدی سے آیا اور میری آنکھوں پر سخت ایسے پٹی باندھ دی۔ اس سے پہلے اس نے زور سے میرے سر پر ضربات لگائیں۔

جب میں بیٹھنے کے قابل ہوا، ایک فوجی نے مجھ پر شدید تشدد کرنا شروع کر دیا اور گالیاں بکتا رہا۔ اس نے میرے چہرے پر پانی ڈالا۔ میرا چہرہ ایک کپڑے سے مکمل طور پر ڈھانپا ہوا تھا۔ اس نے میرے جسم کے مختلف حصوں پر اپنی گن کی نوک سے ضربات لگائیں اور فائر کیے بغیر ٹریگر دباتا رہا۔ وہ میرے جسم کے ہر حصے پر ضربات لگا رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میری ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ پھر محسوس ہوا کہ ناک ایک اور جگہ سے بھی ٹوٹ گئی ہے۔ وہ میری توہین کرتا رہا اور میرے اہل خانہ پر تشدد کی دھمکیاں دیتا رہا۔ یہ سلسلہ تقریباً تین گھنٹے جاری رہا۔

کمرے سے لگتا تھا کہ دھند میں لپٹی صبح ہو چکی ہے۔ فوجیوں کے بار بار سگریٹ پینے سے دھواں بہت زیادہ ہو رہا تھا۔ ایک فوجی اچانک تیزی سے میری طرف آیا اور کہنے لگا:

''کیا تم سگریٹ پیتے ہو، صلاح؟''

''نہیں، میں سموکنگ نہیں کرتا۔'' میرا جواب تھا۔

ایک اور فوجی مسکراتے ہوئے بولا: ''نہیں؟ تو اب تم سگریٹ ضرور پیو گے۔''

''اوکے، میں سگریٹ پیوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

ایک فوجی نے میرے لیے سگریٹ سلگایا میں نے اپنے آپ کو اس کی سمت دھکیلا اور جلد ہی دھواں منہ سے باہر نکال دیا۔

''ارے نہیں، نہیں، بالکل نہیں، لمبا کش لگاؤ اور دھنواں اندر کھینچو۔ وہ بہت طنزیہ لہجے میں مخاطب ہوا۔ اس نے پھر کہا، چلو، شاباش، لمبا کش لگاؤ'' مجھے شدید تکلیف ہوئی۔ پھر میں سنبھل گیا۔ اس پر سارے فوجی یک دم زور سے مسکرائے۔ پھر تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ فوجی میری تذلیل کرتے اور مزے لیتے رہے۔ ساتھ مارتے رہے، تشدد کرتے رہے۔

میں نے ہزار بار خواہش کی کہ میرے خدا! مجھے موت دے دے میں اس صورت حال میں نہیں رہنا چاہتا تھا۔

سرعام پھانسی!

میں نے کئی بار سوچا کہ کسی طرح فرار ہو جاؤں۔ پھر ایک افسر اچانک سامنے آیا۔ اس کے ساتھ کئی فوجی اور بھی تھے۔ وہ ہمیں ایک دوسرے کمرے میں لے گئے، اس کمرے میں کوئی فرنیچر نہ تھا۔ بس ایک کونے میں کرسی اور میز تھے۔

اس افسر نے مجھے ایک کرسی پر بٹھایا اور اپنی گن نکال لی۔ اس سے کپڑے میں لپٹی کوئی چیز نکالی، وہ ایک سائیلنسر تھا۔ اس نے گن لوڈ کی اور سیدھی میرے سر پر لگا دی۔

میں پرسکون رہا۔ میں دل ہی دل میں کلمۂ شہادت پڑھتا جا رہا تھا۔ اللہ سے دعائیں کر رہا تھا اور اس سے توبہ طلب کر رہا تھا۔

وہ افسر مجھ سے کچھ اعتراف کرانا چاہتا تھا کہ میں حماس کا کوئی مزاحمت کار ہوں۔ وہ مجھ سے پوچھتا رہا کہ میرے اہل خانہ جنوبی غزہ کیوں نہیں گئے۔ وہ مجھے کہہ رہا تھا کہ تم ایک دہشت گرد ہو۔

میں کبھی بھی حماس سے وابستہ نہیں تھا۔ اور نہ ہی میرا ارادہ تھا کہ میں مزاحمت کار بنوں گا۔ لیکن میرے نظریات تھے اور میں ایک طرز زندگی کا عادی تھا۔

افسر نے تفتیش ختم کی اور میری کرسی کھینچ لی۔ میں فرش پر گھٹنوں کے بل گر گیا۔ ایک فوجی نے مجھ پر کئی اور کمبل ڈال دیے۔ اس نے میری آنکھیں پھر زور سے باندھ دیں۔

میں نے سائیلنسر لگنے اور ہٹائے جانے کی کئی مرتبہ آواز سنی۔ کئی اجسام کو فرش پر گرتے سنا۔ مجھے لگا کہ نظر بندوں کو جان سے مارا جا رہا ہے۔ اب میری باری ہوگی۔ میں توبہ کرتا اور کلمۂ شہادت پڑھتا رہا۔ وہ افسر لوگوں کو طلب کرتا رہا۔ ان کے نام پکارتا رہا۔ اس نے کم از کم چھ سے آٹھ فوجیوں کو بلایا۔ میں فوجیوں کا سامنا کرنے سے ڈرتا رہا۔ میں پٹی کے اندر سے فوجیوں کے سایے نما وجود دیکھتا رہا۔

ایک مرتبہ انہوں نے ٹریگر دبایا لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ انہوں نے ایسا بار بار کیا۔ میں دعائیں کرتا رہا۔ اللہ سے توبہ طلب کرتا رہا۔ پھر میں نمبر پکارتا رہا کہ انہوں نے کتنی بار ٹریگر دبایا لیکن کچھ نہ ہوا۔

یہ ''جعلی پھانسی'' کا ڈرامہ تھا جو انہوں نے رچایا۔ وہ افسر مجھے ایک اور کمرے میں لے گیا۔ اس نے دو فوجیوں سے کہا کہ میرا خیال رکھیں۔

مجھے زمین پر لیٹنے یا اپنی پوزیشن تبدیل کرنے سے روک دیا گیا۔ مجھ سے کمبل واپس لے لیا۔ اسے انہوں نے دو میٹر کے قریب فاصلے پر رکھ دیا۔ سردی میری ہڈیوں میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔

میرے ہاتھ میری پشت پر سختی سے باندھے گئے تھے۔ مجھے لگتا تھا کہ میرے کندھے نکل

جائیں گے۔اس پوزیشن میں رہنے سے میرے جسم کے ہر حصے میں شدید درد تھا۔

مجھے یاد ہے کہ اس دن مجھے کوئی نماز ادا کرنے کا موقع نہیں دیا گیا تھا۔ چناں چہ اسی طرح میں نے باری باری نمازیں ادا کیں۔ یہ نمازیں کپڑوں کے بغیر تھیں۔ کوئی موقع وضو کا نہیں تھا۔ میں حرکت کرنے کے بھی قابل نہ تھا۔ میں کئی بار یہ بھی نہیں جان پایا کہ میں کیا کچھ پڑھتا جا رہا ہوں۔

لیکن ان نمازوں نے مجھے بہت امن دیا اور مجھے بہت ہلکا محسوس ہوا۔ یہ ایک خوف زدہ، گم شدہ اور پریشان مسلمان کی نمازیں تھیں۔ اس رات وقت بہت بھاری لگ رہا تھا۔ سونے پر پابندی تھی۔ بولنا بند تھا۔ اپنی جگہ تبدیل نہیں کی جا سکتی تھی۔ حرکت بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ صرف سانس لینے کی آزادی تھی۔ مرنے پر بھی پابندی تھی۔ وہ ہمیں بہت مشکل موت مارنا چاہتے تھے۔

میں تقریباً بے ہوش ہو گیا تھا۔ موت و حیات کے درمیان کی کیفیت، ایک طرح کا ڈراؤنا خواب!

پھر مجھے لگا کہ میرے ہاتھ بھی ہیں۔ سختی سے باندھے جانے کی وجہ سے ان میں شدید کرب ناک درد تھی۔ اس سے ہی مجھے لگا کہ میں مرا نہیں ہوں ابھی۔

میں کسی کبڑے آدمی کی طرح بیٹھا تھا۔ میرا گھٹنا میرے ماتھے کو چھو رہا تھا۔ میں اپنا سر اپنے گھٹنوں کے درمیان ہلا سکتا تھا۔

وہ فوجی جو پہرہ دے رہے تھے، انہوں نے میری آنکھوں پر پھر سے سیاہ پٹی سختی سے باندھ دی۔ ایک فوجی نے مجھے ایک دوسری جگہ بٹھا دیا۔

فوجیوں نے دوسرے نظر بندوں سے بات شروع کی اور ان کی ممکنہ رہائی کی بات کرنے لگا۔ اس نے کہا کہ جیسے ہی شفٹ تبدیل ہو گی، انہیں رہا کر دیا جائے گا۔

مجھے بھی امید تھی۔ میں نے ایک فوجی سے پوچھا کہ ہمیں کب رہا کیا جائے گا۔ اس نے جواب دیا۔ سب کو رہا کر دیا جائے گا لیکن تمہیں نہیں کیا جائے گا۔ صلاح تم ایک دہشت گرد ہو۔ تمہارا احساس سے تعلق ہے۔ تم جانے والے ہو۔

مجھے لگا کہ میرا دل سینے سے نکل آئے گا۔ میں بہت اداس ہو گیا۔ سوچنے لگا کہ میں اکیلا کیسے رہوں گا۔

پھر معاملہ بدل گیا۔

کچھ دیر گزری اور ایک فوجی آیا۔ میرے منہ میں چاکلیٹ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ڈالا اور کہا:

''صلاح، اسے کھا لو تا کہ جب تم یہاں سے جاؤ تو یہ کہہ سکو کہ ہم نے تمہارے ساتھ کس قدر نرمی برتی اور انسانوں جیسا سلوک کیا ہے۔

میں جوں ہی کچھ امید کرنے لگا تو فوجی کی کڑک دار آواز نے سارے خواب توڑ دیے۔ اس نے کہا:

''دیکھو صلاح! ہم سب تم پر تشدد کریں گے اور پھر مار دیں گے۔'' پھر کہنے لگا۔ ''کپتان کہہ رہا ہے کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے۔ تمہاری یہاں ضرورت نہیں ہے۔''

میں کچھ دیر خاموش رہا اور کوئی ردعمل نہ دے سکا۔ ''یا اللہ! کپتان کو ہدایت دے۔'' میں دعا کرنے لگا۔ پھر فوجی مجھ سمیت تین نظر بندوں کو نچلی منزل پر لائے اور ہماری آنکھوں کو آزاد کر دیا۔ یہ بالکل صبح کا وقت تھا۔ کچھ دیر آنکھیں کچھ نہ دیکھ سکیں۔ میں نے پہلی مرتبہ دن کی روشنی دیکھی تھی۔

جب میں اس قابل ہوا کہ دیکھ سکوں، میں نے اردگرد دیکھا کہ چاروں طرف فوجی بیرکیں بنی ہوئی ہیں۔ بے شمار فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ سینکڑوں فوجی وہاں موجود تھے۔ تباہی ہر طرف تھی جس نے مجھے اندر سے تباہ کر دیا۔

پھر فوجیوں نے ہمیں ایک سمت دھکے دینے شروع کیے۔ وہ گلی کے اندر دور تک ہمیں لے آئے، ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں۔ ہم چلتے گئے اور ہمارے پیچھے ایک ٹینک آتا گیا۔ وہ سمت بدل بدل کر فائرنگ کر رہا تھا۔ بعض گولیاں ہمارے سروں کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔ کچھ دور جا کر ہم نے بے گھر لوگوں کا کیمپ دیکھا جو ایک سکول میں بنایا گیا تھا۔ میں بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ ہم کیمپ کے اندر چلے گئے۔

میں اب خوش تھا کہ میرے چاروں طرف غزہ کے لوگ تھے۔ وہ لپک لپک کر ہماری طرف آ رہے تھے، سب نے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں کپڑے دیے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے سامنے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ لیکن میں انہیں نارمل انداز میں ہلا نہ پایا۔ مجھے وہ غیر معمولی طور پر بھاری محسوس ہو رہے تھے۔

ہم سکول انتظامیہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ان کا اصرار تھا کہ ہم ان کے ساتھ رہیں۔ جب تک ہمارے حواس، ہمارے ہاتھ پاؤں اچھی طرح کام نہ کرنے لگیں، ہم وہیں رہیں۔

میں بری طرح تھک چکا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ اجازت دیں اور ایک کمبل دیں تا کہ میں دیر سو سکوں۔ انہوں نے اصرار کیا کہ وہ میرے لیے ایک میٹرس کا انتظام کریں گے تا کہ میں بہتر نیند لے سکوں۔ وہ میٹرس لے آئے۔ میں فوری طور پر سونا چاہتا تھا۔

میں تقریباً چار گھنٹوں بعد بیدار ہوا۔ میں اپنے آپ پر قابو پا چکا تھا۔ میں کھڑا ہوا اور باہر نکل گیا۔ میں سکول کے صحن میں پھرتا رہا۔ میں نے ایک رات وہاں سونے کا فیصلہ کیا اور اگلے دن اپنے اہل خانہ سے ملنے کا پروگرام بنایا۔

اگلی صبح میں نے اپنے دوست محمد کا گھر تلاش کیا۔ وہ غزہ پٹی میں العباس کے علاقے میں رہتا تھا۔ میں نے محمد کو دیکھا تو اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کے رویا۔ جب گھر پہنچا تو مجھے رمیز نے دیکھا اور کہا:

''صلاح، یہ آپ ہیں؟''

میں اس کے گلے لگ کر بھی بہت رویا۔ میں بار بار اسے اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ محمد، رمیز اور میں اپنے اہل خانہ کی تلاش میں نکلے۔ وہ الرمل میں ایک سکول میں پناہ لیے ہوئے تھے۔

ہم جلدی جلدی اس سکول میں گئے۔ ہم اس کلاس روم میں گئے جہاں میرے خاندان کے لوگ موجود تھے۔ میرا دوست محمد باہر ہی رک گیا۔

میں جب کمرے میں داخل ہوا تو میری والدہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہیں میری یاد نے بہت اداس اور کمزور کر دیا تھا۔ میں فوراً ہی روتا گیا۔ میں خود پر کنٹرول نہ رکھ سکا۔ یوں رویا جیسے ایک چھوٹا سا بچہ روتا ہے۔ میں والدہ کے سینے سے لگ گیا۔ انہوں نے مجھے بار بار دیکھا، چوما اور اپنے ساتھ لگاتی رہیں۔ میری آنٹی، انکل، ان کے بچے سب وہیں تھے۔

میں نے سب کو دیکھا اور آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں جہنم سے واپس آ گیا ہوں۔ میں نے دور سے اپنے ابو کو دیکھا۔ مجھے لگا کہ میں سو سال بعد ان سے مل رہا ہوں۔

ابھی عمر نہیں آیا تھا۔ ''عمر آئے گا تو ہماری خوشی دوبالا ہو جائے گی۔'' آنسوؤں بھری آنکھوں سے میری آنٹی نے کہا اور مجھے یوں لگا کہ یہ قیمتی آنسو شاید بہت مدت تک پلکوں پر ہی رہ جائیں گے۔

(اس آپ بیتی کے سب نام فرضی ہیں)

خصوصی رپورٹ: ثامر بلّ



امریکہ کا وہ روپ جو فلسطینیوں کی نظروں سے اوجھل ہے

نسل کشی اور جبری جلاوطنی کے باوجود ثابت قدم رہنے والے فلسطینیو!

میری خواہش ہے کہ کاش آپ اس امریکہ کو دیکھ سکتے جسے میں نے گزشتہ تین سالوں میں جانا ہے۔ آپ نے خبروں اور سوشل میڈیا پر صرف چند جھلکیاں دیکھی ہوں گی: جیسے مظاہرے، یونیورسٹیوں میں قائم احتجاجی کیمپ، ٹیکنالوجی کمپنیوں کا احتساب اور اسرائیل کو بم بھیجنے کے خلاف بڑھتی ہوئی سیاسی آوازیں۔ لیکن کیمروں کی نظر سے دور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہو رہا ہے۔

میں 1980ء کی دہائی کے آخر سے فلسطین کی حمایت میں فعال ہوں اور میں گواہی دے سکتی ہوں کہ امریکہ میں آزاد فلسطین کے حامیوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ ہر عمر اور پس منظر کے لوگ اس ظلم پر خاموش نہ رہنے کا عہد کر چکے ہیں۔ پچھلے تین سالوں سے ہم امریکی فرینڈز سروس کمیٹی (AFSC) کے تحت ہر ہفتے ''ایکشن آور فار فلسطین'' کا انعقاد کر رہے ہیں، جہاں ہزاروں افراد مل کر اپنے غصے اور دکھ کو عملی جدوجہد میں ڈھال رہے ہیں۔

یہ یکجہتی کئی صورتوں میں نظر آتی ہے۔ وسکونسن کے چھوٹے دیہاتی قصبے سے لے کر بڑے شہروں تک لوگ ہر ہفتے سخت موسم میں بھی مظاہرے کرتے ہیں، شاہراہوں پر بینرز لٹکاتے ہیں اور کوفیہ پہنتے ہیں۔ گرجا گھر، میوزیم اور لائبریریاں فلسطینی ثقافت، تاریخ، کتابوں اور فلموں کو فروغ دے رہی ہیں۔ کھیل، سائیکل رائیڈز اور پتنگ بازی کے تہواروں کے ذریعے فنڈز اور آگاہی جمع کی جا رہی ہے، جب کہ امریکی ڈاکٹر غزہ جا کر زخمیوں کا علاج کر رہے ہیں۔

یہ جدوجہد سیاسی اور معاشی سطح پر بھی جاری ہے۔ امریکہ کے 1,360 سے زائد گروہوں اور کئی قصبوں نے خود کو ''اپارتھائیڈ فری'' (نسل پرستی سے پاک) قرار دیا ہے۔ فعال پسند افراد مختلف اداروں، یونیورسٹیوں اور ریاستوں کو ان کمپنیوں سے سرمایہ کاری نکالنے (Divestment) پر مجبور کر رہے ہیں جو اسرائیل کی ملٹری اور جنگی جرائم سے منافع کماتی ہیں۔

سخت تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہماری ان تمام کوششوں کے باوجود ہم اب بھی امریکی بموں کی فراہمی، اپنے لوگوں کی شہادتیں، قید اور بے دخلی کو مکمل طور پر روک نہیں سکے ہیں۔ لیکن ہم ہمت ہارنے والے نہیں ہیں۔ نسل کشی کا مقصد فلسطینی شناخت کو مٹانا ہے، مگر فلسطین اب دنیا بھر کے کروڑوں لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں زندہ ہے۔ ہم دور سے آپ کی ثابت قدمی اور جی دار جذبے کو دیکھتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ دن جلد آئے گا جب ہم سب مل کر ایک آزاد فلسطین میں خوشیاں منائیں گے۔

[برائے توجہ: تاریخ دانی کی اگلی قسط اگلے شمارے میں شائع کی جائیگی]



سب کچھ کھو دینے کے بعد بھی اصل جنگ ''حماس'' نے جیت لی

''آج حماس نے سب کچھ کھو دینے کے بعد بھی اصل جنگ جیت لی ہے'': نیوز ویک

یہ امریکی جریدے ''نیوز ویک'' کا سرورق ہے، کسی غیر معروف یا مارجنل اشاعت کا نہیں۔

اس شمارے کے تعارفی نوٹ میں لکھا گیا ہے:

''حماس بظاہر وہ جنگ ہار گئی جس کے بارے میں بظاہر اس کا خیال تھا کہ وہ اسے بھڑکا رہی ہے۔ لیکن شاید اس نے ''ایک ایسی چیز حاصل کر لی جس کا اس کی قیادت طویل عرصے سے خواب دیکھتی رہی ہے، یعنی اسرائیل کو دیکھنے اور اس کے بارے میں رائے قائم کرنے کے انداز میں ایک مستقل تبدیلی، بالخصوص ان لوگوں کے درمیان جو ایک دن اس کے قریب ترین اتحادیوں کی قیادت سنبھالیں گے۔''

قابض قوتوں کے خلاف مزاحمتی تحریکوں کی جنگیں باقاعدہ افواج کی جنگوں جیسی نہیں ہوتیں، جو فاتح اور شکست خوردہ فریق کے واضح نتیجے پر ختم ہو جائیں بل کہ یہ آزادی کی ایک طویل جدوجہد کا حصہ ہوتی ہیں۔ جن۔گی اصطلاح میں کسی مرحلے کی شکست بھی ایک تاریخی فتح کی جانب لے جانے والا پڑاؤ بن سکتی ہے۔ یہاں تو معاملہ سرے سے مکمل شکست کا نہیں، بل کہ جزوی نقصان کا ہے۔ ایسا ہی ویتنام میں ''ٹیٹ جارحیت'' کے موقع پر ہوا تھا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ''حماس نے سب کچھ کھو دیا''، تو یہ بات درست نہیں، کیوں کہ آزادی کی تحریکیں حقیقی معنوں میں اسی وقت ہارتی ہیں جب وہ اپنی عوامی پشت پناہی کھو دیتی ہیں۔ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ تحریک نے ''عظمت و افتخار'' حاصل کیا اور ایک منفرد نمونہ پیش کیا، جو اسے پہنچنے والے نقصان سے کہیں بڑھ کر مستقبل میں اس کے لئے مزید قوت اور حمایت کا باعث بنے گا۔''

ہم یہ بات دہراتے رہیں گے کہ ''طوفان الاقصیٰ'' نے صرف ''اسرائیلی ریاست'' کے خاتمے کی ابتدا نہیں لکھی، بل کہ اس نے ایک ایسے منصوبے کے اختتام کا آغاز بھی کیا جس کا ختم ہونا ناگزیر تھا۔

اللہ کے وعدے کے مطابق، اور پھر تاریخ کے اصول کے تحت، خصوصاً ایک ایسی اقلیت کے معاملے میں جو ''بہت بڑی سرکشی کے ساتھ زمین میں برتری حاصل کر چکی ہو''، فساد برپا کیا ہو، ظلم و سرکشی کی ہو، ''یہاں تک کہ اسے یہ گمان ہونے لگا ہو کہ وہ زمین اور اس پر موجود ہر چیز کی مالک ہے۔''

ذرا دیکھیں اور غور کریں، شاید 'سیاست' کے بعض نام نہاد دعوے دار کچھ عاجزی اختیار کریں!

یاسر الزعاترہ: سیاسی تجزیہ کار، غزہ

انہیں تیزی سے ختم کرو

ایک ہی سکے کے دو رخ: وہ حقائق جنہیں الگ دیکھنا دھوکہ ہے

جب تک ہم اس بنیادی ربط کو نہیں پہچانیں گے، تب تک کسی بھی مسئلے یا صورتحال کی مکمل اور درست تصویر سامنے نہیں آسکتی۔

